دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق

پاکستان میں سالانہ ۱۲۰/- روپے فی پرچہ ۱۲/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمان الرحیم

نقش آغاز

کس کو آتی ہے مسیحائی ؟

ربیع الاول کا مبارک اور بابرکت مہینہ جاری ہے ۔ اس مہینہ کی قدر و منزلت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس باسعادت مہینہ میں ہی وجہ وجود کائنات حاصل کونین خاتم النبین ، محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ اس دنیا میں تشریف لائے اور آپؐ کی آمد کے ساتھ ہی احکام الٰہیہ اور شریعت مطہرہ کی تکمیل ہوئی اور ظلم و جبر کی شب دیجور کا پردہ رشد و ہدایت اور آفتاب نبوت سے چاک ہوا اور دنیا کو انسانیت امن و آشتی کا درس ملا ۔ آج ہمیں چاہیئے تھا کہ ایسے مبارک مہینہ کی تعظیم و تکریم کرتے اور پورا ملک سرکاری اہتمام سے بغیر کسی بدعات و رسومات اور شور شرابے کے آپؐ کی سیرت و کردار پر سیمنار ، محافل اور مجالس منعقد ہوتے لیکن بدقسمتی سے اس بابرکت اور پرسعادت موقعہ پر بھی ہمارا ملک طوائف الملوکی کا شکار ہے اور پورا ملک بدامنی ، قتل و غارت گری، بموں کے دھماکوں اور سیاست کی ہنگامہ آرائیوں کی شدید لپیٹ میں ہے ۔ لوٹ مار ، دنگا فساد ، تخریب کاری ، دہشت گردی اور کرپشن کا بازار گرم ہے ۔ لاہور اور سرگودھا میں ایک ہی دن بم دھماکوں میں درجنوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ۔ گزشتہ آٹھ ماہ سے ملک میں صرف بم دھماکوں کیوجہ سے ایک ہزار سے زیادہ افراد لقمہ اجل بن گئے ہیں ۔ اور ادھر ملک ہڑتالوں ، احتجاجوں ، مظاہروں کی لپیٹ میں ہے ۔ اس بابرکت مہینے میں بھی فحاشی اور عریانی کا سیلاب زوروں پر ہے اور مہنگائی کا اژدھا غریبوں اور درمیانی طبقے کو نگل رہا ہے ۔ یہ مختصر خاکہ اور لہولہان تصویر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہے ۔ پاکستان یعنی " پاکیزہ " " پرامن " "پاک صاف " " اسلامی معاشرہ " سبحان اللہ ؟

مرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

تخریب کاروں نے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے ۔ کوچہ و بازاروں میں غریب عوام کے سوختہ جسم اور چھیتڑے پڑے ہوئے ہیں ۔

ع کہاں ہیں ثنا خوان تقدیس "ملت"
ذرا ملک کے رہبروں کو بلاؤ
یہ گلیاں ، یہ کوچے ، یہ منظر دکھاؤ

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ہمارے ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے گویا ۔

ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

ہم نے جو کچھ بویا تھا ، اسی کو کاٹ رہے ہیں ۔ ہمارا یہ انجام تو بالآخر ہونا ہی تھا کہ ہم ہی ہیں جو اپنے پیغمبر اور نبی کے واضح ارشاد کو فراموش کر بیٹھے ۔

لن یفلح قوم و لوا امرھم امرءۃ (الحدیث)

میں اگر کچھ سوختہ ساماں ہوں تو یہ روز سیاہ
خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

آج پورے ملک میں کوئی شخص بھی محفوظ نہیں ہے ۔ بسوں ، ریل گاڑیوں اور لاری اڈوں سے بات نکل کر ہوائی اڈوں جیسے حساس ترین مقامات تک پہنچ گئی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ عوام کی جان و مال اور ناموس و عزت کی حفاظت کی دعویدار حکومت اور اسکے ماتحت اینٹلی جنس ادارے ، ایجنسیاں اور محکمہ پولیس کس مرض کی دوا ہیں ۔ وہ صرف اپنے سیاسی مخالفین کو دبانے ، چھاپے مارنے اور وی آئی پی حضرات کو پروٹوکول دینے میں شب و روز مصروف ہیں اور وزیر اعظم صاحبہ بیرون ملک کے دوروں پر محو پرواز رہتی ہیں اور جب لاہور اور سرگودھا کے شہر جس دن بموں کے دھماکوں سے گونج رہے تھے ، ادھر محترمہ تالیوں کی گونج میں کوریا کے صدر کے ساتھ

جام صحت نوش فرمارہی تھیں ۔ صدر مملکت شکار کی مصروفیات میں ہمیشہ کیطرح مستغرق ہیں اور پنجاب جیسے کثیر آبادی والے حساس صوبے کو ایک ناتجربہ کار شخص کے حوالے کیا گیا ہے جو ان دھماکوں کی ذمہ داری وفاقی حکومت پر ڈال کر خود کو بری الذمہ سمجھتا ہے۔

ع رموز مملکت خویش خسرواں دانند

چاہیئے تو یہ تھا کہ حکمران اس ملک میں آئے دن کی تخریب کاریوں اور بم دھماکوں کے سد باب کے لئے کوشاں رہتے اور آئندہ اسکے تدراک کے لئے مؤثر حفاظتی انتظامات کرتے لیکن اب یہ ہمارے ارباب اقتدار کی عادت بن چکی ہے کہ دھماکہ کے بعد متاثر جگہ پر جاتے ہیں اور وہاں پر طفل تسلی دیکر عوام کو وقتی طور پر خاموش کردیتے ہیں اور پھر ہسپتال جاکر ٹی وی ۔کے کیمرہ کے سامنے زخمیوں کو چیک پکڑوائے جاتے ہیں اور بس کیا یہ چند ہزار روپے انکا نعم البدل ہوسکتے ہیں، ہرگز نہیں ۔

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

ایک طرف تو ملک کے حالات اتنے دگر گوں ہیں اور دوسری طرف ملک کی باگ ڈور تمام ملکی داخلی امور اور سرحدات کی حفاظت جیسے اہم ذمہ داریاں ایک خبطی قسم کے ریٹائرڈ فوجی کے سپرد کی گئی ہیں جوکہ سیاست کے ابجد سے بھی واقف نہیں ۔ ایک وحشی، سفاک مزاج شخص سے کہاں یہ مسائل حل ہوسکتے ہیں۔

الغرض اس حکومت کے سیاہ کارناموں کی فہرست بڑی طویل ہے ۔ عوامی حکومت کا دم بھرنے والوں نے اپنے دور اقتدار میں غریب عوام کو ماسوائے بھوک، افلاس، مہنگائی، دین و مذہب سے بیزاری، اسلامی شعائر کا مذاق اڑانا، عدلیہ کی توہین و تحقیر، منبر و مسجد کی بے حرمتی، بدامنی، تخریب کاری، بم دھماکوں، فحاشی و

عریانی ، روپے کی ارزانی ، قومی املاک کی لوٹ مار ، ہارس ٹریڈنگ اور روٹی کے بجائے گولی ، کپڑے کی بجائے کفن ، مکان کی بجائے قبر کے علاوہ اور کیا دیا ہے ؟ قوم و ملک و ملت آج کرپٹ سیاستدانوں اور ظالم حکمرانوں سے بیزار اور انکے کرتوتوں سے چورچور ہے ۔ انسانیت اور انسانی اقدار یہاں دم توڑ رہی ہیں ۔ جہالت اور ناخواندگی عام ہے ۔ ملکی سرحدیں بھی محفوظ نہیں ۔ اقتصادیات اور معاشیات کا جنازہ نکل چکا ہے ۔ آج اپنے وطن عزیز اور معاشرے کی بھیانک صورتحال اور یہ اوراق پریشان ، نالہ و فریاد اور آہ وشیون پر مبنی یہ تصویر کس کے سامنے پیش کروں ۔ صدر مملکت کے سامنے ؟ پارلیمنٹ کے سامنے ؟ عدلیہ کے سامنے ؟ یا اپنے مظلوم و مقہور عوام کے سامنے ؟ کہ ۔

ع کس کو آتی ہے مسیحائی کسے آواز دوں

ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وھو شہید

له دعوۃ الحق (راشد الحق)

۹۔ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مصباح الرحمن یوسفی
استاذ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

قاضی کی اہلیت کی شرائط

قضا چونکہ ایک انتہائی حساس اور اہم منصب ہے اس لیے اسلام نے اس منصب کو سنبھالنے کیلئے اہلیت کی بنیادی شرائط لگا دی ہیں تاکہ اس حساس مقام پر صرف وہی افراد بیٹھ سکیں جو حقیقت میں اس کے اہل ہوں، رعیت کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اور حقوق معاشرہ کی نگہبانی کما حقہ ہو سکے۔ اور کوئی فرد اپنی کم علمی یا نا اہلی کی بنا پر معاشرہ کے لیے دردِ سر نہ بن جائے۔

اس سلسلے میں ہم ان تمام شرائط کا ذکر کریں گے جو فقہاء کے ہاں مذکور ہیں۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک قاضی کا اخلاقِ عامہ صفات حسنہ اور علم و فضل سے متصف ہونا افضل ہے۔ اور اسی شخص کو اس منصب پر بٹھایا جائے گا جو امت مسلمہ میں زیادہ بہتر ہو گا۔ لیکن کیا یہ صفات قاضی کے لیے شرائط کی حیثیت رکھتی ہیں یا نہیں؟ اور ان میں سے کم سے کم وہ کون سی صفات ہیں جن کا قاضی کے اندر پایا جانا ضروری ہے۔ اور جن کے بغیر کوئی آدمی قضا کے منصب کا اہل ہی نہیں ہوتا؟

یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:-

اسلام

کوئی شخص اس وقت تک قاضی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو۔ (۱)
مسلمان سے مراد صرف وہ شخص ہے جو شریعت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم پہ ایمان لایا ہو اور اس کو دنیا کا واحد الہٰی قانون اور قابل عمل شریعت سمجھتا ہو۔

اگر کوئی قاضی صرف مسلمانوں کے درمیان متنازعہ امور میں فیصلے کرے یا فریقین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اس صورت میں تو قاضی کا مسلمان ہونا مسلمہ طور پہ ضروری ہے (۲)

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" (۳)

لیکن اگر فریقین دونوں کافر، غیر مسلم ہوں تو اس صورت میں دو رائے پائی جاتی ہیں۔ جمہور علماء جن میں مالکی، شافعی، حنفی، ظاہری اور شیعہ مکاتب فکر شامل ہیں اس صورت میں بھی قاضی کا مسلمان ہونا شرط اور ضروری قرار دیتے ہیں، (۴) جب کہ فقہاء احناف کے نزدیک کفار کے نزاعی امور میں فیصلہ کرنے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے (۵) اگر ضرورت پڑے تو غیر مسلم بھی عدل و انصاف کے مطابق فریقین کے مابین فیصلہ

کر سکتے ہیں، لیکن یہ پیش نظر رہے کہ کفار کو اسلامی معاشرے میں کسی بھی بنیادی منصب پر بٹھانا جائز نہیں لہذا بطور پالیسی کے کوئی بھی اسلامی حکومت کفار کو قاضی / جج کے منصب پر مامور کرنے کی مجاز نہیں۔ البتہ بعض خاص صورتوں میں حکومت وقت وقتی طور پر ضرورت کے پیش نظر ایسا کر سکتی ہے لیکن کسی بھی وقت اس کو نظیر بنانا درست نہ ہوگا بلکہ کوشش یہی کی جائے گی کہ اسلامی معاشرے میں تمام اہم امور اور مناصب بشمول قضا کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں، کیونکہ کوئی بھی اصولی اور نظریاتی ریاست اپنے حدود میں کسی غیر نظریہ کو کھل کر حکمرانی کرنے کی اجازت اور اختیارات نہیں دیا کرتی۔

بلوغ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرعی طور پر سن بلوغ کو پہنچ چکا ہو کیوں کہ نابالغ خود مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ اس سے اس کے عمل کی کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی تو دوسروں کے معاملات میں وہ فیصلہ کرنے کا اہل کب ہو سکتا ہے شرعی احکام کے وجوب کی بنیادی شرط تو بلوغ ہے لہذا غیر بالغ آدمی قضا کا اہل نہیں ہوگا۔ (۶)

بلوغ کے لیے عمر کی کوئی حد نہیں لگائی جا سکتی۔ بلکہ اس سے طبعی بلوغ مراد ہوگا یعنی جب وہ شریعت کے دوسرے احکام کا مکلف ہوگا۔ اس وقت وہ بالغ تصور ہوگا اور قضا کے منصب کے لیے اس لحاظ سے اہل بھی سمجھا جائے گا۔

عقل عقل کی شرط بھی تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے (۷) اس طرح کوئی غیر عاقل یا کوئی مجنوں اور دیوانہ قضا کے منصب پر فائز ہونے کا اہل نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس حالت میں تمیز اور سادراک کی صلاحیت ہی مفقود ہوتی ہے بلکہ امام ماوردیؒ تو فرماتے ہیں کہ واجبی اور معمولی عقل اس میدان میں کافی نہیں بلکہ اچھی ذہانت بہتر قوت تمیز اور سہو و غفلت سے ایسا بعد درکار ہے جو کہ مسائل کو حل کرنے اور مشکلات کو رفع کرنے کے کام آئے۔ یعنی کمال درجے کی وہ عقل مندی سوجھ بوجھ اور فکری پختگی ضروری ہے جو کہ اس منصب کے شایان شان ہو (۸)

مرد ہونا (ذکورۃ) اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان تین رائے پائی جاتی ہیں، مالکی، شافعی، حنبلی اور شیعہ فقہاء کے نزدیک قاضی کا مرد ہونا ضروری ہے (۹) اور عورت قاضی کے منصب پر نہیں بیٹھ سکتی جب کہ اہل ظاہر اور ابن جریر طبری نے اس کے خلاف رائے دی ہے (۱۰)

فقہائے احناف نے حدود و قصاص کے قضایا میں تو قاضی کا مرد ہونا ضروری قرار دیا ہے جب کہ ان کے ہاں دیگر قضایا میں عورت بھی یہ ذمہ داری لے سکتی ہے (۱۱)

قرآن و سنت کا مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عورت کو اپنے دائرہ کار کے اندر رہنے

ہوئے گھریلو زندگی کی بہتری کے لیے وقف ہونا چاہیئے۔ بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت ایسی ذمہ داری ہے جس سے فقط وہی عہدہ برا ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف عدلیہ کا رکن بننے کی صورت میں عورت کو اپنے حدود سے نکل کر مردوں سے اختلاط بات چیت اور ضروری حالات سے باخبر رہنے کے لیے چلنے پھرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جن میں سے کچھ صورتیں قطعی طور پر ممنوع ہیں۔ جب کہ عورت کا باہر نکلنا، مردوں سے بات چیت کرنا اور گھل مل جانا یہ سب فتنہ کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا ہم عورت کو ایک ایسا کام کرنے کی ذمہ داری نہیں دے سکتے جس کے نتیجے میں ہمیں اسلامی اقدار اور تعلیمات کو پامال کرنا پڑے۔ اس لیے قاضی کے لیے مرد ہونا شرط قرار پائے گا۔ البتہ ایسے امور جہاں پر عورت کے قاضی بنائے بغیر کام نہ بنتا ہو، عورتوں کے خصوصی معاملات ہوں یا اس کے علاوہ کوئی نعم البدل نہ ہو، یا کسی بڑے شرعی مقصد کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ اس صورت میں قاضی کے منصب پر عورت کو فائز کیا جا سکتا ہے۔ اور اس صورت میں عورت کو قاضی بننے کی اجازت دی جائے گی۔ اس طرح بنیادی طور پر صرف مرد ہی قاضی رجح ہوا کریں گے۔ سوائے مخصوص حالات کے جہاں عورت کے قاضی بنائے بغیر کوئی چارہ نہ ہو وقتی طور پر اس کی اجازت دی جائے گی۔ یہی فقہاء کرام کے مذکورہ اقوال کا خلاصہ بھی ہے۔

حریت (آزادی) آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ غلامی کی لعنت سے دنیا کو پاک کرے کیونکہ اس میں انسان اپنے فکر و عمل کا آزادانہ طور پر مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے مالک کے حکم کا غلام ہوتا ہے۔ فقہا نے اسی بنا پر قاضی کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ آزاد ہو۔ کسی کا زرخرید غلام نہ ہو۔ اپنے فکر و عمل میں آزاد ہو۔ اور کوئی انسان اس کے سیاہ و سفید کا مالک نہ ہو۔

جمہور فقہائے نے قاضی کے منصب کے لیے آزادی کو ایک بنیادی شرط قرار دیا ہے مالکی، حنبلی، شافعی اور جمہور شیعہ اس کو شرائط اہلیت میں سے قرار دیتے ہیں (۱۲) احناف نے بھی تنفیذ حکم کے لیے اس کو لازمی قرار دیا ہے (۱۳) جب کہ صرف اہل ظاہر اور بعض اہل العشرہ اس کو لازمی قرار نہیں دیتے۔ (۱۴) لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں جمہور کی رائے ہی کو ترجیح حاصل ہے۔

عدل قاضی کا عادل ثقہ اور با کردار ہونا بھی ضروری ہے یہ مالکی، حنبلی، شافعی اور شیعہ مکاتب فکر کی رائے ہے (۱۵) کیونکہ اس اہم منصب پر وہی شخص بیٹھے گا جو خود اپنے کردار کے ذریعے لوگوں کے اندر مقام پیدا کر سکتا ہو۔ یا کم از کم اس کے اعمال و اخلاق کو دیگر لوگ دلیل بنا کر اسلامی

نظام عدل کا مذاق نہ اڑائیں۔ اور نہ ہی اس کے کردار میں شک کر کے اس کے فیصلے کو مشکوک ٹھرائیں۔ اسی وجہ سے فقہاء شریعت نے قاضی کا ثقہ اور باکردار ہونا بھی لازمی قرار دیا ہے۔

احناف کے نزدیک شاید معاشرے کی بداخلاقی کی طرف زیادہ میلان کی وجہ سے اس شرط کو شرط اہلیت نہیں قرار دیا گیا ہے (۱۶) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قاضی غیر عادل ہو، بلکہ غیر عادل کی قضا بھی جائز ہے، اور ظاہر ہے وہ صرف اس صورت میں کہ جب اس سے کوئی بہتر آدمی نہ ملے، معاشرے میں بداخلاقی کے عام رجحان کی وجہ سے یہ تو ممکن ہے کہ اگر کوئی زیادہ ثقہ اور باکردار آدمی نہ ملے تو اس سے کم درجہ کا ڈھونڈھ لیا جائے گا، لیکن وہ اپنے معاشرہ کی نسبت سے اچھے افراد میں سے ہو، بداخلاق اور بدکردار لوگوں کو عوام کی گردنوں پر مسلط کرنے کا جواز اس رائے میں قطعاً نہیں ہے اصل تو یہی ہے کہ باکردار اور نیک وصالح عناصر کو ہی یہ منصب سونپا جائے گا۔ (۱۶) تاکہ وہ عوام کے نزاعات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ کر سکیں اور اسلامی اقدار اور تعلیمات کو ترجیح دے سکیں۔ البتہ اگر کسی میدان میں مخلص اور باکردار فرد نہیں ملتا ہے تو اس صورت میں اس سے کم درجہ کے نیک فرد پر بھی اکتفا کر لیا جائے گا (۱۷)

اجتہاد قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مختلف نوادر قضایا اور معاملات میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو شافعی، حنبلی، ظاہری اور شیعہ مکاتب فکر کی رائے یہ ہے، (۱۸) البتہ مالکی اور حنفی فقہاء قاضی کے لیے اجتہاد کو ضروری قرار نہیں دیتے (۱۹)

قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قاضی اپنے سامنے لائے جانے والے معاملات اور قضایا کو خوب جاننے والا ہونا چاہیئے لہذا اگر کوئی آدمی علم نہیں رکھتا ہے تو وہ فیصلہ کرنے کا اہل نہیں ہے اسلئے جہاں بھی مجتہد عالم مل سکتا ہو وہاں اس کا قاضی لگنا ضروری ہے لیکن چونکہ نہ تو تمام عالم مجتہد ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے تو فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ مجتہد نہ ہونے کی صورت میں کسی مجتہد کی رائے کی پابندی کرنی ہوگی۔ از خود اجتہاد کی صلاحیت نہ ہونے کی صورت میں کسی ایسے قاضی کی پیروی لازمی ہوگی جو مجتہد ہو۔ اس طرح شریعت کے مقاصد بھی پورے ہوں گے اور دین میں غیر ضروری سختی اور پابندی کا رجحان بھی پیدا نہیں ہوگا۔ رب العزت فرماتے ہیں۔

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (۲۰) اور حدیث نبوی ہے کہ "یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا" (۲۱)

پس قاضی کے لیے مجتہد ہونا بہت ضروری ہے، اس طرح معاملات و قضایا جلدی اور بسہولت احسن طریقے سے نمٹائے جا سکیں گے، لیکن بصورت عدم موجودگی اس عالم کو بھی قاضی بنایا جا سکتا ہے جو اگرچہ اجتہاد

کی صلاحیت تو نہیں رکھتا لیکن اپنے علم و فہم کے ساتھ ساتھ وہ کسی مجتہد عالم یا قاضی کی پیروی کرتا ہے اور یہی شریعت اسلامی کا تقاضا ہے۔

سماعت، بینائی اور گویائی پر قدرت

جمہور فقہا کے نزدیک قاضی کی اہلیت کی شرائط میں سے سلامت سمع و بصر و نطق بھی ہے یہ احناف حنابلہ مالکی اور شافعی علماء کی بڑی اکثریت کی رائے ہے (۲۲)

جب کہ بعض شافعی اور مالکی فقہاء سمع و نطق کو تو شرط قرار دیتے ہیں۔ جب کہ قوت بینائی کو اس کے لیے ضروری نہیں سمجھتے۔(۲۳)

اس سلسلے میں راجح قول یہی ہے کہ قاضی کے لیے قوت سماعت گویائی اور بینائی تینوں ضروری ہیں۔ کسی ایک قوت سے بھی محروم فرد قضا کے مقتضیات کو پورا نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ قاضی پوری طرح مدعی اور مدعی علیہ کو سمجھے اور یہ دیکھنے بولنے اور سننے کے بغیر ممکن نہیں لہذا ضروری ہے کہ قاضی سلیم الحواس ہو اور قضایا کو پوری طرح سن سمجھ اور دیکھ سکتا ہو اور ساتھ ہی اپنے مافی الضمیر کو پوری طرح ادا کرنے پر بھی قادر ہو۔

حواشی

۱۔ النساء: ۱۴۱۔

۲۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۶۵، ردالمختار: ۵/۳۵۴، مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵، بدائع الصنائع: ۷/۳۔

۳۔ النساء: (۱۴۱)

۴۔ تبصرۃ الاحکام: ۱/۲۳، مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵، الاقناع: ۴/۳۶۸، المحلی: ۹/۳۶۳، البحر الزخار: ۵/۱۲۰۔

۵۔ ردالمختار: ۵/۳۵۴، بدائع الصنائع ۷/۳

۶۔ تبصرۃ الاحکام: ۱/۲۳، مغنی المحتاج ۴/۳۲۵، ردالمختار ۵/۳۵۴ البحر الزخار: ۱۹۹، الاقناع ۴/۳۶۸۔

۷۔ المراجع السابقہ۔

۸۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۶۵۔

۹۔ تبصرۃ الحکام: ۱/۲۳، مغنی المحتاج: ۴/۳۸۵، الاقناع: ۴/۳۶۸، البحر الزخار: ۵/۸

۱۰۔ المحلی: ۹/۳۶۳، نیل الاوطار: ۸/۳۶۵۔

۱۱۔ ردالمختار: ۵/۳۵۴، بدائع الصنائع: ۳/۲، فتح القدیر: ۵/۴۵۴۔

۱۲- تبصرۃ الحکام: ۱/۲۳، مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵، المغنی والشرح الکبیر: ۷/۳۸۴ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی: ص ۷۴، دلیل القضاء الشرعی: ۱/۲۰۔

۱۳- بدائع الصنائع: ۷/۳، الزیلعی: ۴/۳۱۸۔

۱۴- المحلی: ۹/۳۶۳، نیل الاوطار: ۸/۲۶۶

۱۵- تبصرۃ الحکام: ۱/۴۲۵ الاقناع: ۴/۳۶۸، مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵، البحر الزخار: ۵/۱۱۹۔

۱۶- رد المحتار: ۵/۳۵۴، الزیلعی: ۴/۱۷۵

۱۷- انظر للتفصیل فی العدالۃ مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۳۵/۹-۴

۱۸- مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵، الاقناع: ۴/۳۶۸، المحلی: ۹/۳۶۳، البحر الزخار: ۵/۱۲۰

۱۹- تبصرۃ الحکام: ۱/۲۷، الدر المختار: ۵/۳۵۴

۲۰- الحج: ۷۸

۲۱- حدیث متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین تحقیق الالبانی حدیث رقم: ۶۴۲

۲۲- الزیلعی: ۴/۸-۱۷۷، الاقناع: ۴/۳۶۸، تبصرۃ الحکام: ۱/۲۵، مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵

۲۳- مغنی المحتاج: ۴/۳۷۵، تبصرۃ الحکام: ۱/۲۵، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۱۲

حضرت العلامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

آداب الحدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد ۔

آج کا موضوع بحث حدیث کو قبول کرنے، سننے سنانے، اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی طلب بابت میں پیش نظر رکھے جانے والے آداب ہیں۔ گذشتہ موضوعات میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں، اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات کریمہ بایں جہت کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں، حدیث کے موضوع ہیں۔ اب اس سے یہ بات سمجھنا آسان ہو گئی کہ حدیث کا ادب کیا ہے اور حدیث سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کے آداب کیا ہیں۔

جوادب حضورؐ کا ہے وہی آپؐ کی حدیث کا ہے۔

جوادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی آپؐ کی احادیث کا ہے اور جوادب صحابہ کرامؓ کا ہے وہی ادب ان کے آثار وسنن کا ہے۔ جو عظمت اللہ رب العزت کی ہے وہی اس کے کلام کریم کی ہے سو ادب حدیث ادب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک پہلو ہے۔ اور آثار صحابہؓ کی توقیر و تعظیم فیض رسالتؐ ہی کی تعظیم و تکریم ہے اور ان کا امتثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل ’’رزتزکیہ اصحاب‘‘ کا ہی ایک اکرام ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کفر ہے اسی طرح اُن کے ارشادات کی بے ادبی و گستاخی بھی کفر ہے، اور جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے ادبی گمراہی کی انتہا ہے اُن کے آثار و ارشادات سے لاپرواہی بھی ایک کھلی ضلالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر طریقے کو قبول کرنا ضروری ہے خواہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات غلط ہو۔ آپ کے ہر ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے بارے میں دل میں کسی قسم کا تأمل، بوجھ وغیرہ نہ ہونا چاہیئے ۔ ورنہ ایمان قائم نہ رہ سکے گا۔ قرآن کریم میں ہے ۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما ۔ (پ۵ : النساء)

ترجمہ: "قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھیں، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور (تیرے فیصلہ کو) قبول کریں خوشی سے۔"

ادبِ رسالتؐ قرآن پاک کی رو سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب دل سے بھی اس قدر ہونا چاہیئے کہ مجال ہے آپ کی کسی بات کے بارے میں تنگی آئے۔ قرآن کریم میں ہے۔

یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ۝ (پ ۲۶: الحجرات)

ترجمہ: "اے ایمان والو اپنی آوازیں بلند نہ کرو نبی کی آواز سے اور آپؐ سے تیز آواز کے ساتھ نہ بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت رسالت مآبؐ کا ادب بتایا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کو اپنے نبی کے آداب سکھائے ہیں کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت و اعظام اس قدر کرنا چاہیئے کہ تم اپنے سارے کاموں کو خدا اور اس کے رسولؐ کے پیچھے رکھو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ نبیؐ کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو جیسے ایک دوسرے سے بے محابا بات کرتے ہو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کرنا ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف جھک تڑخ کر بات کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم و احترام کے لہجہ میں۔ ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے پیغمبر کا رتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھی جائے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپؐ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے۔ [1]

---

[1] فوائد القرآن ص ۶۸۴۔

حضرت شیخ الاسلام کی اس تفسیر میں علماء دیوبند کا موقف روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حضرات رسالت کا ادب واحترام کس طرح مانتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نبی کا درجہ اپنے بڑے بھائی کا سا نہیں۔ باپ، استاد، پیرومرشد اور اپنے افسر وآقا ہر ایک سے بڑھ کر ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ بھی یہی تھا۔

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں، اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں۔" [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں کہ۔

"ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں۔" [2]

آپ اس سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ آتے ہیں۔

"سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی" [3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کسی پہلو سے کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہونے پائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں

"خطرہ اس لیے ہے کہ رسولؐ کی شان میں گستاخی یا انؐ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب ہے ایذاء رسولؐ کا۔" [4]

حضرات صحابہ کرامؓ اس آیۃ شریفہ کے نزول کے بعد بہت احتیاط سے آپؐ کے ساتھ کلام کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جیسے اکابر صحابہ کرامؓ بھی آپؐ سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے فھاباہ ان یکلماہ (بخاری شریف ج ۸ ص ۲ مصر) یہ دونوں حضرات بھی ہیبت کھاتے تھے کہ آپؐ سے کلام کریں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں دربارِ رسالتؐ کا عز واحترام اور توقیر واحترام کتنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تقویت الایمان ص ۵۴ [2] تقویت الایمان ص ۵۵ [3] تقویت الایمان ص ۲۱

[4] معارف القرآن، جلد ۸ ص ۱۰۲۔

خدا کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی طرح آہستگی سے بات کرتے تھے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن نہ پاتے جب تک کہ دوبارہ استفسار نہ فرماتے [1]

قرآن کریم آپ کی تعظیم و توقیر کا ان الفاظ میں حکم دیتا ہے۔

انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذيرا ٥ لتؤمنوا بالله و رسوله و تعزروه و توقروه

ترجمہ۔ "ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا، اور خوشخبری اور ڈر سنانیوالا تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کی نصرت کرو، اور اس کی عظمت قائم رکھو اور خدا کی پاکی بولو صبح و شام" (الفتح پ ۲۶ ع ۱)

یہ حکم خداوندی بتا رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کا اکرام و احترام ہر بندہ مومن کے ذمہ لازم ہے یہ تعظیم ایمانی اور قلبی حدود میں تو ہے ہی کہ بدوں اس کے مومن ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن بیرونی حدود میں بھی تعظیم درکار ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرے۔ آپ کو اپنوں جیسوں کی طرح نہ بلائے، آپ کی ہر پکار پر لبیک کہے، آپ کے ہر حکم کو اپنے لیے واجب العمل جانے، اس کے انکار کو کفر جانے اور اس کے ترک کو گناہ سمجھے۔ رہا موضوع بدنی تعظیم کا تو آپ کے لیے دست بستہ قیام رکوع اور سجدہ نہ کرے۔ بدنی تعظیم اتنی ہی کرے جتنی چھوٹے درجے کے انسان بڑے درجے کے انسانوں کی کرتے چلے آتے ہیں۔

بعد الوفات آپ کے ادب و احترام کی صورت

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے روبرو اونچی آواز سے کلام کرنا گویا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے اسی طرح آپ کے اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بھی آپ کے کلام یعنی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز نہ کرنی چاہیئے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانی رح لکھتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہیئے اور جو قبر شریف کے پاس ہو تو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھنے نیز آپ کے خلفاء علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیئے" [2]

جس طرح بعد وفات آپ کی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ کے تمام اعمال اور آپ کی سنتوں اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی سمجھا جائیگا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۲۶ ص ۲۰۷ [2] فوائد القرآن ص ۶۸۴

اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا سنتوں سے آگے بڑھنا اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا اس میں کوئی فرق نہیں[۱]

حضرت قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہے جیسا کہ حیات میں تھا اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔"[۲]

آپؐ کی مسجد میں آواز بلند نہ کرے

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبویؐ میں بلند آواز سے کلام کرتے سنا تو آپ نے ان کو منع فرمایا کیونکہ اس حالت میں آپ کا ادب واحترام قائم نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بلند آواز سنی اور دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ مسجد مقدس میں دو اشخاص آواز بلند کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ تم کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا کہ یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت دونوں اہلِ طائف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ باہر سے نہ آئے ہوتے تو میں تمھیں دُرّوں کی سزا دیتا[۳]

لو کنتما من اھل المدینۃ لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: "اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں بدنی سزا دیتا تم حضورؐ کی مسجد میں اپنی آواز بلند کر رہے ہو۔"

(مشکوٰۃ شریف، رواہ البخاری وفی روایتہ ان مسجدنا ہذا لا یرفع فیہ الصوت)

فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مناط کلام مسجد نہیں بلکہ مسجد بایں نسبت ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ انور ہے اور اس میں آواز بلند کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام واحترام کے خلاف ہے۔

آدابِ حدیث قرآن کریم کی رو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کا فوری حق یہ ہے کہ جس وقت اور جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچ جائے۔ حدیثِ رسولؐ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر فوری دھیان نہ کیا جائے حدیث کا پہلا ادب یہ ہے کہ اس پر فوری توجہ دی جائے دیر نہ کرے۔ قرآن کریم یہ آداب یوں سکھاتا ہے۔

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۵۱۲ [۲] معارف القرآن جلد ۸ ص ۱۰۱ [۳] مواہب الرحمٰن پ ۲۶ ص ۲۲۲

یا ایّھا الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جس وقت وہ بلائیں اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔" [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (عمل یا بلاوا) ایسی چیز نہیں جس سے مومن ایک لمحہ کے لیے بھی پہلوتہی یا رُوگردانی کرسے۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فوراً لبیک کا حکم دیتا ہے اور حضورؐ کا بلانا صرف آپ کا ہی بلانا نہیں، خدا کا بلانا بھی ہے۔ سو قرآن کریم کی روشنی میں حدیث رسولؐ کا ادب یہ ہے کہ اس کے حکم پر فوراً لبیک کہی جائے۔ اسی میں مومن کی زندگی ہے اور اس کے آداب میں سے ہے کہ مومن حدیث کے سامنے مطیع ومنقاد ہو جائے کہ اے آقا میں بسروچشم حاضر ہوں۔ اب یہ بات مومن کی مرضی پر نہیں کہ حدیث کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا اس سے کسی طرح پیچھے ہے۔ ہاں حدیث کے حدیث ہونے میں شک ہو تو یہ ایک علمی اختلاف ہوگا۔ حدیث کے ادب واحترام سے سرتابی نہ ہوگی۔

ادب حدیث خود حدیث کی رُو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بیٹھے کوئی حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص (کوئی اعرابی) آیا اور اس نے آپؐ کے دورانِ بیان ہی ایک سوال کر دیا۔ آپؐ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حدیث برابر بیان فرماتے رہے جب بات پوری کر چکے تو فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں پوچھ رہا تھا.... الخ [۲]

آپ کے طرز عمل سے حدیث کے احترام کا پتہ چلا کہ حدیث جب بیان ہو رہی ہو تو اور کوئی بات درمیان میں نہ لانی چاہیئے گو وہ بات خود دین کی ہی کیوں نہ ہو۔ پوری حدیث آگے اس بحث میں آئے گی کہ حدیث کے بیان کے دوران کسی اور طرف توجہ نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ میں ایک دفعہ ان کے حالات کے تفاوت سے غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک کے حالات پیش نظر اس کے لیے مقدار مختلف تھی اور اسی لیے آپ نے اسے کسی اور کے سپرد نہ کیا تھا بلکہ خود ہی تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا حضورؐ! عدل فرمایئے برابر تقسیم کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ویلک من یعدل اذا لم اعدل "تیری بربادی، میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا" [۳]

---

[۱] پ ۹ الانفال۔ [۲] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۱۴ [۳] ایضاً صـ ۹۱/۲، صـ ۱۰۲۴/۲، صـ ۵۰۹/۱، صـ ۴۷۲/۱۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا۔ انا امین من فی السماء یا تینی خبر السماء صباحا ومساء "میں تو آسما والے کا امین ہوں صبح وشام میرے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں۔"

یعنی آسمانی باتوں میں تو مجھے امین سمجھا جاتا ہے تو کیا ان دنیوی امور میں کوئی بات خلاف امانت و دیانت مجھ سے ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ذوالخویصرہ کے اس اعتراض پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے اس شخص کے بارے میں یہ بھی فرمایا۔

انہ یخرج من ضئضئ ھذا قوم یتلون کتاب اللہ رطباً لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔

ترجمہ: اس کی پشت سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت میں ہر وقت رہیں گے لیکن تلاوت ان کے حلق سے نیچے اُتر کر (دل تک) نہ جا سکے گی، دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بے ادبی کا ارتکاب کرنیوالا خوارج کا مورث اعلیٰ بنا۔ نبی کی بات کے سامنے یہ جسارت بالکل ناجائز تھی، نبی کی تو شان یہ ہے کہ اس کے سامنے آپس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یا آپ کی طرف توجہ نہیں کسی کو آپ کی حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہو رہا ہے۔

سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

ولا ینبغی عند نبیؐ تنازع [1] ترجمہ: "اور نبی کے پاس تنازع نہ ہونا چاہیئے"

بلکہ اگر کہیں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ نبی کی ذاتِ اقدس سے لینا چاہیئے۔ اس اختلا کو ہی آپ کی طرف منسوب کر دینا کسی بدنصیب کی فکر ہی ہو سکتی ہے۔

آداب حدیث عمل صحابہؓ کی رو سے

جن حضرات نے حلقۂ نبوت میں تربیت پائی تھی ان سے زیا حدیث کا احترام کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون تابعی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے آپ ایک رات کا واقعہ نقل کرتے

فلما کان ذات عشیۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فنکس قال فنظرت الیہ فھو قائم ازرار قمیصہ قد اغرورقت علیناہ وانتفخت اوداجہ قال "او دون ذالک

---

[1] بخاری جلد ۶ صـ۱۱۔

او فوق ذالک[۱] او قریباً من ذالک او شبیناً بذالک (سنن ابن ماجہ ص۳)

ترجمہ: ایک رات آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا آپ حضورؐ کی حدیث بیان کرتے سرنگوں ہو گئے تھے پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں بٹن کرتے کے کھلے ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں، رگیں پھولی ہوئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ذرا کم یا کچھ زیادہ یا اس کے قریب قریب یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی۔ اس حلقہ ارشاد میں جب حدیث رسول کا اتنا ادب تھا کہ مجال ہے کوئی بات خلاف مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی زبان سے نکلے، تو ظاہر ہے کہ ہماری مجالس اور ہمارے مدارس میں بھی حدیث بڑے ادب و احترام سے روایت کی جانی چاہیئے۔

صحابہ کرامؓ جنہوں نے حلقۂ نبوت میں تربیت پائی تھی وہ حدیث کے احترام میں جھکے جاتے تھے، جب حضورؐ کی کوئی حدیث سامنے آتی وہ جھٹ اپنی بات چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما میں کسی موضوع پر اختلاف ہو گیا۔ کعب احبارؓ کی تورات کی ایک یاد داشت صحیح نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کر رہے تھے۔ حضرت کعبؓ نے جب تورات کھولی تو روایت ابوہریرہؓ کو درست پایا۔ فوراً پکار اٹھے صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ نے سچ فرمایا[۱]

حضرت ابوہریرہؓ کا صحت حدیث پر اصرار اور اس کے مقابلہ میں تورات کی بات کو نہ ماننا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں حدیث کی اہمیت اور اس کا ادب کتنا تھا۔

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ "میں ابن مسعودؓ کے پاس ایک سال تک برابر آتا جاتا رہا مگر ان کو کسی وقت بھی بے تعظیمی سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہیں سنا اور جب کہ ایک دن بے خیالی میں ان کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو وہ اتنے روئے کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ پسینہ پسینہ ہو گئے۔[۲]

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو محض اس لیے کہ نادانستہ طور پر کوئی بات خلاف مراد مصطفےٰ زبان سے نہ نکل گئی ہو۔ آخر میں کہہ دیتے "او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[۳]

(جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو) یعنی میری بات اگر کسی پہلو سے صحیح نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو یقیناً صحیح اور برحق ہے وہی میری بات رہنے دو۔

آداب الحدیث عمل ائمہ کی رو سے

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کا حدیث کے لیے احترام ملاحظہ ہو" حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک

---

[۱] سنن نسائی، جلد ا، ص۱۲ [۲] مدارج النبوۃ جلد ا ص۱۵ [۳] سنن ابن ماجہ ص۳

شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک حدیث دریافت کی تو وہ ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور اٹھ کر بیٹھیں انہوں نے فرمایا میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ پہلو پر لیٹے لیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ ہو۔

"جو لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس آتے تو پہلے ان کی باندی باہر آتی اور پوچھتی کہ تم شیخ سے مسائل شرعیہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث؟ اگر لوگ کہتے کہ ہمیں مسائل دریافت کرنے ہیں تو امام مالکؒ فوراً باہر تشریف لے آتے اور ان کو مسائل کا جواب ارشاد فرماتے اور اگر لوگ کہتے کہ ہم لوگ حدیث معلوم کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ تشریف لے جاتے غسل کرتے اور بدن پر خوشبو ملتے اور نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چغہ جو سیاہ یا سبز ہوتا زیب تن کرتے اور عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچھایا جاتا، پھر باہر تشریف لاتے تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے بخور جلایا جاتا جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے۔

لیجئے حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کا حال بھی ملاحظہ ہو۔

جب ان کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی قرأت کے وقت خاموش رہنا اسی طرح فرض ہے کہ جس طرح کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام فرمانے کے دوران خاموش رہنا اور سننا فرض تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مقام رسالت کا ادب ہے اسی طرح حدیث رسالت لائق احترام ہے آپ کی احادیث کریمہ کا ادب انتہائی لازمی ہے جہاں حدیث پڑھی پڑھائی جاتی ہو وہاں اونچی آواز نہ کرے اور خلافِ ادب ذرا شور و شغب نہ کرے آداب حدیث میں یہ پہلا ادب ہے۔

حضرت ابو ابراہیم یحیٰی فرماتے ہیں: "ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے حضورؐ کا ذکر کیا جائے تو وہ خشوع و خضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کرکے جنبش تک نہ دے اور خود پر ہیبت و جلال طاری کرے۔ گویا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا اور اس وقت جو ادب فرض تھا وہی ادا کرتا تو اس وقت بھی ویسا ہی ادب کرے۔"

ڈاکٹر حافظ محمود اختر

عہد عثمانؓ میں جمع قرآن

چند اعتراضات کا جائزہ

(آخری قسط)

۲۔ حضرت علیؓ خود حافظ قرآن تھے۔ بالفرض اگر حضرت عثمانؓ نے کوئی گڑبڑ کردی تھی تو حضرت علیؓ کو چاہیئے تھا کہ وہ اعلان فرماتے کہ یوں تحریفِ قرآن کا ارتکاب کیا گیا ہے اور میں اس کی اصلاح کر رہا ہوں حالانکہ حضرت علیؓ سے اس قسم کا کوئی بیان بھی وہ اس پر قادر نہیں ہوگا اور اس تبدیلی کا راز جلد ہی فاش ہو جائے گا اور ثابت شدہ نسخے اس کی مخالفت کریں گے۔ پھر قرآن مجید جو کہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے، اس میں اس قسم کی تبدیلی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے"۔ [۴۹]

اگر ہم اس وقت کے حالات کو نگاہ میں رکھیں جب حضرت عثمانؓ نے قرآن جمع فرمایا تھا، تو اس بات کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت عثمانؓ نے متن قرآن میں کوئی تبدیلی کرلی ہوگی۔ صحابہ کرامؓ کی جرأتِ ایمانی کا حال تو یہ تھا کہ دین کی کسی ادنیٰ سی بات سے انحراف کو جائز تصور نہ کرتے اور اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ حضرت حسینؓ اپنے خاندان کے ساتھ شہید کر دیئے گئے اس لیے کہ وہ فاسق [illegible] کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ برسرِ عام ایک شخص امیرالمومنین حضرت عمرؓ سے استفسار کرتا ہے کہ لوگوں کی قمیضیں تو اتنی لمبی نہیں بن سکیں، تقریر کرنے سے قبل جواب دیں کہ امیرالمومنین کی قمیص کس طرح اتنی لمبی بن گئی۔ [۵۰]

اس کے مقابلہ میں کسی نے حضرت عثمانؓ کی کارروائی پر اعتراض نہ کیا بلکہ اس سے اتفاق کیا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی۔

صحابہ کرامؓ اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار [۵۱]	جس نے میرے بارے میں جان بوجھ کر جھوٹی بات کہی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ایک اور روایت یوں ہے، حضورؐ نے فرمایا۔

من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار [۵۲]	جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

مسلمانوں کا نوبحیثیت قوم مزاج ہی ایسا ہے کہ تحقیق اس کے رگ و ریشے میں رچی بسی ہے انہوں نے تدوینِ حدیث کے سلسلے میں جو تحقیقی روایت چھوڑی ہے اس کی نظیر کسی قوم کے پاس نہ موجود تھی اور نہ ہو سکتی ہے ۔

اس سلسلے میں خود اہلِ مغرب کے اعترافات بھی موجود ہیں اور انہوں نے تو اس کی تعریف کی ہی ہے اس پس منظر میں کوئی دیانتدار محقق یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمان رضؓ نے قرآنِ مجید میں تبدیلیاں کر دیں اور لوگ خاموش تماشائی بنے رہے ۔

ڈاکٹر محمد سعید اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں علمی دیانت داری کا جو معیار تھا اس کے تحت انہوں نے حکم دیا کہ ساتوں نسخوں کو ایک ایک کر کے مسجد نبوی ؐ میں ایک شخص با آواز بلند شروع سے آخر تک پڑھے تاکہ کسی شخص کو یہ شبہ نہ رہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے قرآن مجید میں تبدیل کر دی ۔[۵۳]

حضرت عثمان رضؓ کے تیار کردہ مصحف پر ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ نے آپ کی اس کارروائی پر اعتراض کیا تھا اور ابن مسعود رضؓ اس نسخہ سے متفق نہ تھے ۔ اس سلسلے میں ترمذی شریف کی ایک روایت جس میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضؓ کو شکایت تھی کہ کتابتِ قرآنِ مجید کا کام ان کے سپرد کیوں نہیں کیا گیا ۔ جب کہ انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضؓ کے مقابلے میں زیادہ طویل عرصہ تک حضور ؐ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا ۔[۵۴]

" حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس نقطۂ نگاہ کی وضاحت کی ہے ۔ حضرت عثمان رضؓ نے یہ کام مدینہ طیبہ میں کیا تھا ۔ ابنِ مسعود رضؓ اس وقت کوفہ میں تھے ۔ حضرت عثمان رضؓ اس کام کو مؤخر نہیں کرنا چاہتے تھے حضرت زید ابن ثابت رضؓ ، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دور میں تدوین قرآنِ مجید کا کام کر چکے تھے ۔ لہٰذا انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ یہ مرحلہ بھی انہی کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچے ۔"[۵۵]

حافظ ابن حجر کی اس توجیہ کے علاوہ اس مسئلہ کی وضاحت یوں بھی ہوتی ہے کہ ۔

حضرت عثمان رضؓ کو اس وقت جو مسئلہ درپیش تھا وہ فوری نوعیت کا مسئلہ تھا ۔ یہ صحابہ رضؓ کے عمومی مقام و مرتبہ کا مسئلہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق تجربے سے تھا ۔ حضور ؐ نے جن صحابہ کرام رضؓ کے نام بطور قاری کے لوگوں کو بتائے ہوئے تھے ان میں عبداللہ ابن مسعود رضؓ تھے ۔ لیکن تدوینِ قرآن کا مسئلہ ایسا نہ تھا کہ کسی ماہر قرآن ہی کو اس پر مامور کیا جاتا ۔ کیا زید ابنِ ثابت رضؓ کے لیے یہ اعزاز کچھ کم تھا کہ حضرت ابنِ مسعود رضؓ پر فوقیت رکھنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ سے پہلے تدوینِ قرآن کے کام پر زید ابن ثابت رضؓ ہی کو مامور کیا تھا ۔ پہلے دو خلفاء رضؓ نے ابن مسعود رضؓ کی مدینہ کی موجودگی کے باوجود انہیں

ر وین قرآن پر مامور نہ کیا تھا۔ اب تو ابن مسعودؓ مدینہ سے دور کوفہ میں تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرات شیخینؓ نے موزوں ترین فرد کو اس کام پر لگایا تھا۔ دونوں مواقع پر زید ابن ثابتؓ کو مامور کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ وہ حضورؐ کے عہد میں کاتب وحی تھے۔ اگر مسئلہ تفسیر قرآن کا ہوتا تو شاید ابن مسعودؓ اس کام کے لیے موزوں تر ہوتے۔ لیکن یہاں تو مسئلہ ایسے کام کا تھا جس میں زید ابن ثابتؓ کا تجربہ ابن مسعودؓ سے زیادہ تھا۔ حضرت زید ابن ثابتؓ اور ان کی زیر نگرانی کام کرنے والی کمیٹی کے ارکان کو بھی لئے ایک امتیاز حاصل تھے۔ زید ابن ثابتؓ کے بارے میں حضور صلعم نے فرمایا۔

من سره ان یقرا القرآن غضا	جو شخص قرآن کو تر و تازہ پڑھنا چاہے
فلیقرأه بقراءة زید[۵۶]	تو وہ زید ابن ثابت کی قرأت کو اپنائے۔

سلیمان بن یسار سے اہل مدینہ کی قرأت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

اجتمع علیها ابن عمر وعثمان وابیّ وزید وکان زید اقرأهم عندنا۔[۵۷]	اس پر ابن عمر، عثمان، ابی بن کعب اور زید متفق ہیں اور زید ہمارے نزدیک سب سے زیادہ بہتر قاری تھے۔

زید بن ثابتؓ کے بارے میں نور الدین عتر لکھتے ہیں۔

وقد بلغ فی الذکاء مبلغاً عظیماً تمیّز به علی اهل عصره[۵۸]	وہ ذہانت میں عظیم درجہ تک پہنچے ان کی حیثیت ان کے ہم عصروں میں سب سے ممتاز ہے۔

شعبی کہتے ہیں۔

علت رتبة زید فی الفرائض والقرآن۔[۵۹]	زید ابن ثابتؓ کا مرتبہ علم فرائض اور علم قرآن میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی تابعی کہتے ہیں۔

کانت قراءة ابی بکر وعمر وعثمان وزید بن ثابت والمهاجرین والانصار واحدة، کانوا یقرؤن القراءت العامة وهی القراءة التی قراها رسول الله صلعم	ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، زید ابن ثابتؓ اور مہاجرین و انصارؓ کی قرأت ایک ہی تھی۔ وہ عام قرأت کے مطابق ہی قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے یہ وہی قرأت تھی جس پر حضور اکرمؐ نے جبریل کے سامنے دو مرتبہ قرآن مجید پڑھا تھا جس

علی جبریل مرتین فی العام	سال کہ آپ کی وفات ہوئی۔ زید بن
الذی قبض فیہ وکان زید قد	ثابتؓ "عرضۂ اخیرہ" میں موجود تھے
شہد العرضۃ الاخیرہ، وکان	اور وہ لوگوں کو اسی کے مطابق پڑھاتے تھے
یُقریٔ الناس بہا حتیٰ مات	یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ اسی بنا پر حضرت
ولذالک اعتمدہ الصدیق فی	ابوبکر صدیقؓ نے قرآن جمع کرتے وقت ان پر
جمعہ وولاہ عثمان کتبۃ	اعتماد کیا اور عثمانؓ نے بھی کتابت مصحف
المصحف [۶۰]	کا کام انہیں کے سپرد کیا۔

"نکت الانتصار" میں بھی اس سلسلے میں لکھا ہے۔

...... وغیر ذالک کثیر من	...... ان اقوال کے علاوہ بھی آپ کے
الاخبار فی فضلہ وعلو تدمہ	فضائل میں بہت سے اقوال موجود ہیں اور
فی القرآن الکریم متواترہ	قرآنِ مجید کے معاملے میں آپ کا بلند مرتبہ
المعنیٰ کما بین اھل	ہونا تواترِ معنوی کی حد تک ثابت ہے جیسا کہ
التحقیق۔ [۶۱]	محققین کا خیال ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب انہیں جمع قرآن کا کام سونپا تھا تو اس وقت ان کے بارے میں آپؓ کے الفاظ یہ تھے۔

انک شاب (او رجل) عاقل [۶۲]	بے شک تم عقل مند نوجوان ہو۔

ایک مرتبہ لوگوں سے سوال کیا۔

من اکتب الناس؟ قالوا کاتب	سب سے اچھا کاتب کون ہے؟ کہا
رسول اللہ صلعم زید بن	گیا کہ رسول اللہؐ کے کاتب زید ابن ثابتؓ
ثابت۔ قال فای الناس اعرب؟	آپؓ نے پوچھا سب سے زیادہ عربی کا
قالوا سعید بن العاص، قال	ماہر کون ہے؟ کہا گیا کہ سعید بن العاصؓ
عثمان فلیمل سعید ولیکتب	ہیں۔ آپؓ نے فرمایا۔ سعید لکھائیں
زید۔ [۶۳]	اور زید لکھیں۔

ایک دوسری روایت میں سعید بن العاصؓ کے بارے میں حضرت عثمانؓ کا سوال یوں ہے۔

ای الناس افصح؟ قالوا سعید	لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح کون ہے؟

بن العاص ؎۶۴ لوگوں نے کہا سعید بن العاص۔

ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کو ان کے مخصوص امتیازات کی وجہ ہی سے جمع قرآن کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا تھا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم بجا طور پر مستشرق بہل (BHHL) کے اس نقطۂ نگاہ کی تردید کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید لکھنے والے لوگ نو آموز اور ناتجربہ کار تھے اور ان کی طرف سے کچھ لاپرواہی کا مظاہرہ ہوا اور قرآن مجید میں کچھ غلطیاں باقی رہ گئیں ؎۶۵

حضرت عثمانؓ کے تیار کردہ نسخہ پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ۔

آپ کے سامنے آپ کا تیار کردہ نسخہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا۔

انّ فی القرآن لحناً ستقیمہ العرب بالسنتہم ؎۶۶ "بے شک قرآن مجید میں "لحن" ہے عرب اپنی زبان سے اسے درست کرلیں گے۔"

اس سلسلے میں علامہ محمود آلوسی نے وضاحت کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

لم یصح عن عثمان اصلا ؎۶۷ یعنی یہ روایت حضرت عثمانؓ سے بالکل ثابت نہیں

وہ مزید لکھتے ہیں۔

مصحف عثمانؓ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ رسم عثمانی وحی سے بھی ثابت ہے۔ حدیث نبوی کی رُو سے غلطی پر اجماع ہو ہی نہیں سکتا۔

اس روایت میں مذکور ہے حضرت عثمانؓ نے "جمع قرآن کمیٹی" کے ارکان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

احسنتم واجملتم ؎۶۸ یعنی تم نے اچھا اور عمدہ کام کیا ہے۔

اگر اس کام میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ اس غلطی کی تحسین کیوں کر فرما سکتے تھے۔

ابو عبیدہ نے عبدالرحمٰن بن ہانی سے نقل کیا ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس تھا کاتبانِ مصاحف، مصحف کے حصے آپ کے سامنے پیش کر رہے تھے تو اس میں لم یتسن، لا تبدیل للخلق اور امہل الکافرین لکھا ہوا تھا۔ آپ نے تینوں مقامات پر قلم دوات منگوا کر غلطی کی اصلاح فرمادی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ ذاتی طور پر مصحف کو چیک کرتے تھے اور غلطیوں کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہاں "لحن" سے مراد غلطی نہیں بلکہ قرآن کے وہ صحیح الفاظ مراد ہیں جو اہلِ عرب کی زبان پر چڑھے ہوئے نہ تھے اور یہ الفاظ ان کی طرزِ گفتار کے مطابق نہ تھے۔ ایسے

الفاظ کے بارے میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا تھا قرآن مجید میں ایسے انداز کے الفاظ ہیں جنہیں عرب بار بار پڑھنے سے صحیح طور پر پڑھنے لگیں گے اور ان کی زبانیں رفتہ رفتہ اس طرز پر پڑھنے کی عادی بن جائیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ لفظ "لحن" دو معنوں میں مشترک ہے۔ ایک معنیٰ غلطی ہے اور ایک معنیٰ طرز کلام۔ یہاں دوسرا معنیٰ مراد لیا جائے گا۔ یہی معنیٰ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے کہ اسے "لحن محمود" کہا جاتا ہے۔ اسی کے متعلق شاعر کہتا ہے۔

خیر الحدیث ما کان لحنا

اچھی بات وہ ہے جو ایک خاص طرز سے کہی جائے

یہی معنیٰ خود قرآن مجید کی آیت مبارکہ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں استعمال کیا گیا ہے۔

بخاری شریف میں حضورؐ کا ایک فرمان موجود ہے۔

لعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ	یعنی فریقینِ مقدمہ میں سے کبھی ایک فصیح طرزِ
من بعض فا قضی لہ علی نحو ما	کلام کا ماہر ہوتا ہے میں اس کی بات سن
اسمع منہ فمن قضیت لہ بشی	کر فیصلہ کر دیتا ہوں۔ لہٰذا اگر کسی بھائی کا حق
من اخیہ فلا یاخذنہ فانما	اسے میں دیدوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے۔ یہ اس
اقطع لہ قطعۃ من النار (بخاری، مسلم)	کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

ایک وضاحت یہ بھی کی گئی ہے کہ "لحن" سے رسم الخط کا لحن مراد ہو کہ رسم مصحفِ عثمانی میں بعض جگہ ملفوظ اور مکتوب الفاظ موافق نہیں لیکن عرب اہلِ زبان اپنی زبان سے اسے درست پڑھ لیں گے۔

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں۔

اس روایت کی سند منقطع اور مضطرب ہے اور اس کے راوی ضعیف ہیں [۶۹]

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نسخہ میں کوئی غلطی نہ تھی اور نہ ہی حضرت عثمانؓ نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ تدوین کمیٹی کے تیار کردہ نسخے میں غلطیاں ہیں اور لوگ خود انہیں درست کر لیں گے۔ اس طرح ان روایات سے قرآن مجید کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضرت عثمانؓ کے تیار کرواتے ہوئے مصحف کے بارے میں ہم نے چند باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اہلِ مغرب نے شیعہ مآخذ کو بنیاد بناتے ہوئے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کی اس کارروائی کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہوا اور قرآن مجید کے متن میں غلطیاں موجود رہیں اہلِ مغرب نے محض قیاس آرائیوں کی بنیاد پر یہ غلط بیانیاں کی ہیں۔ ورنہ حقائق ان کے موقف کی تائید نہیں کرتے۔

اہل مغرب کے اسی متعصبانہ اور معاندانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی اس کارروائی کے بارے میں کوئی ایک فیصلہ نہیں کر سکے۔ اور صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ محض قیاس آرائیوں اور ظن و تخمین سے کام لے رہے ہیں۔ ان کے فیصلوں میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن مجید اس سے قبل اصل حالت میں موجود تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا۔[۴۲]

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قرآن کے متن کا کھوج لگانے کی پہلی کوشش ہی حضرت عثمانؓ نے کی۔[۴۳] ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ نسخہ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تیار کردہ نسخہ کی من و عن نقل تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ والا نسخہ غیر مرتب قسم کا تھا، لہٰذا حضرت عثمانؓ کا نسخہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔[۴۴] (گویا یہ گروہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ محض ایک نسخہ سے دوسرا نسخہ نقل کروا لیا)

نولڈیکے، جس کے نقطہ نگاہ کو اکثر مغربی علماء نے مقلدانہ انداز سے اپنایا ہے، حضرت عثمانؓ کی ساری کارروائی کو مشکوک اور ناقابل اعتبار قرار دیتا ہے۔[۴۳] لیکن ایک دوسرا گروہ پورے تیقن کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے کہ آپ کی کارروائی نہایت احتیاط کے ساتھ ہوئی۔[۴۴] ایک گروہ اس بات کو اچھالتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد تک قرآن مجید کے متن میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے،[۴۵] دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس قسم کی کوئی بات نہ تھی، حضرت عثمانؓ نے تو یہ سب کچھ محض اپنی اہمیت جتانے کے لیے کیا۔[۴۶]

ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن مجید لکھنے والے صحابہؓ، قابل اعتماد نہ تھے۔[۴۷] جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کاتبان وحی کے تقویٰ میں کسی بھی قسم کا شک، و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔[۴۸]

معترضین کے اعتراضات کا سب سے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ سب کچھ ظن و تخمین اور قیاس آرائی کی بنیاد پر کہتے ہیں ان کی قیاس آرائیوں کی تردید کرنے والے ثقہ شواہد موجود ہوتے ہیں، تب بھی وہ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر ذی ہوش انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ ایک طرف ثقہ شواہد اور تحقیق شدہ حقائق ہوں اور دوسری جانب قیاس آرائیاں ہوں، تو قیاس آرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

یہ تضادات اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ کسی واضح فیصلہ تک نہیں پہنچ پائے، لیکن اسلام دشمنی اور تعصب میں وہ مخالفت کرنے پر مجبور ہیں اور اسی مجبوری میں وہ مخالفت برائے مخالفت کرتے چلے جاتے ہیں

مصادر و مراجع

۱؎ بحوالہ صبحی صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، دارالعلم للملایین، بیروت، ۱۹۶۵ء، صفحہ ۷۹ یہی نقطہ نگاہ دیگر لوگوں نے بھی اختیار کیا مثلاً " NOLDEKE, T. SKETCHES FROM EASTERN HISTORY, KHAYAT, PP. 50

۲؎ ایضاً" ص۵۲

۳؎ بحوالہ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص۸۰-۷۹، حقانی، عبدالحق، البیان فی علوم القرآن، ص۲۵۸

۴؎ بحوالہ مباحث فی علوم القرآن ص۷۹

۵؎ عبداللہ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، لمطبعۃ الرحمانیہ، مصر، ۱۹۳۶، صفحہ ۱۴-۱۶

۶؎ بہل (BHLL) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد دوم ص۱۰۷۳

۷؎ عبداللہ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص۱۴-۱۶

۸؎ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، المطبعۃ التجاریہ، مصر، جلد اوّل ص۶۰

۹؎ عبداللہ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف ص۳۲

۱۰؎ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، جلد سوم ص۱۴۶ اس کے علاوہ یہ روایت تمام کتب صحاح میں موجود ہے۔

۱۱/۱۲؎ سیوطی، جلال الدین، الاتقان جلد اول ص۶۱

۱۳؎ تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن مکتبہ دارالعلوم کراچی صفحہ ۱۸۷

۱۴؎ نزل القرآن علی سبعۃ احرف یہ حدیث اکیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ ابو عبیدہ نے اسے متواتر قرار دیا ہے۔ حضور اکرم صلعم نے فرمایا "جبریل نے مجھے قرآن مجید سات حروف میں پڑھایا۔ میں زیادت طلب کرتا رہا۔ وہ پڑھاتے گئے یہاں تک کہ سات حروف تک نوبت پہنچی۔" اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لیے سیوطی، الاتقان، جلد اوّل، ص۴۵ دیکھئے۔

۱۵؎ ایضاً" ص۶۱۔ اس سلسلے میں علامہ زرکشی لکھتے ہیں۔ ولم یحتج الصحابۃ فی ایام ابی بکر وعمر الی جمعہ علی وجہ ماجمعہ عثمان لانہ لم یحدث فی ایامہما من الخلاف فیہ ماحدث فی زمن عثمان، ولقد وفق لامر عظیم ورفع الاختلاف وجمع الکلمۃ واراح الامۃ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن جلد اوّل ص۲۳۹ ۱۶؎ ایضاً" ص۲۳۹

۱۷؎ سیوطی، الاتقان جلد اوّل ص۶۱ حضرت عثمانؓ کے نسخہ کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں اس

کارروائی کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید کی نقلیں تیار کروائیں ۔ املا میں کہیں کہیں ترمیم کی گئی لفظ کی آواز کو نہیں بدلا گیا ۔ لیکن اس آواز کی املا کو کچھ بدلا گیا ۔ اس کے بعد اس کے چار یا سات نسخے تیار کیے گئے ..... اسلامی مملکت میں یہ نسخے پھیلائے گئے اور کہا گیا کہ آئندہ نسخے انہیں سے نقل کر کے تیار کیے جائیں اور اس کے علاوہ نسخوں کو تلف کر دیا گیا ۔

حمید اللہ ، ڈاکٹر ، خطباتِ بہاولپور ، اسلام آباد ، ۱۹۹۲ء ص۲۴

۱۸ الزرقانی ، محمد عبدالعظیم ، مناہل العرفان ، جلد اوّل ص۲۵۳ ، ۲۵۴

۱۹ ابن حزم ، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل جلد دوم ص۸۱-۸۲

۲۰ حقانی ، عبدالحق ، مولانا البیان فی علوم القرآن ص۵۱-۵۲

۲۱ الزرقانی ۔ مناہل العرفان جلد اول ص۲۶۸-۲۷۲

۲۲ ابن الجزری ، النشر فی القرأت العشر ، المکتبۃ التجاریہ ، مصر ، جلد اول ص۳۱

۲۳ ابن حزم ، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل جلد دوم ص۷۷ ، ۷۸

۲۴ عینی ، بدر الدین ، علامہ ، عمدۃ القاری (کتاب الخصومات) جلد ۱۲ ص۲۵۸

۲۵ زرکشی ، البرہان فی علوم القرآن ، دار احیاء الکتب العربیہ جلد اول ص۱۵

۲۶ علی القاری ۔ علامہ ، مرقاۃ المفاتیح ، مکتبہ امدادیہ ، ملتان ۱۳۸۷ھ جلد پنجم ۔

۲۷ الزرقانی ، مناہل العرفان جلد اوّل ص۱۵۱

۲۸ شاہ ولی اللہ ، المصفیٰ ، مطبع فاروقی ، دہلی صفحہ ۱۸۷

۲۹ انور شاہ کشمیری ، فیض الباری ، مطبع حجازی ، مصر ۱۳۵۸ھ ، جلد سوم ص۳۲۱-۳۲۲

۳۰ زاہد الکوثری ، علامہ ، مقالات الکوثری ، مطبعہ الانوار ، قاہرہ ، ۱۳۷۲ھ ص۲۰-۲۱

۳۱ انور شاہ کشمیری ، فیض الباری ، جلد سوم ص۳۲۱ ، ۳۲۳

۳۲ زاہد الکوثری ، مقالات کوثری ص۲۱ (A) ۳۲ زرکشی ، البرہان جلد اول ص۲۲

۳۳ عبداللہ ابن ابی داؤد کتاب المصاحف ص۲۵

۳۴ بخاری ، الجامع الصحیح جلد سوم ص۱۴۶

۳۵-۳۶ بحوالہ صبحی صالح ، مباحث فی علوم القرآن ص۷۹

۳۷؎ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد نہم ص۱۳-۱۵

۳۸؎ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن جلد اول ص۶۱

۳۹؎ مقری، نفح الطیب، جلد اول ص۲۹۸

۴۰؎ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، جلد دوم ص۵

۴۱؎ عبداللہ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف ص۲۲

۴۲؎ حاکم، امام، مستدرک حاکم، جلد دوم ص۲۲۹

۴۳؎ الزرقانی، مناہل العرفان، حاکم اول ص۲۵۳-۲۵۴

۴۴؎ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد نہم ص۱۷ ۴۵؎ ایضاً ص۱۵

۴۶؎ عزت عیسوی، تاویل القرآن ص۱۰۶-۱۰۷ دیگر کئی ایک مستشرقین نے بھی یہی نقطۂ نگاہ اختیار کیا ہے

(i) ARTHUR TEFFERY, MATERIAL FOR THE HISTORY OF TEAT OF THE QURAN, PP. 10

(ii) BHUL, ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM, VOL II PP. 1073

(iii) MARGOLIUTH, MOHAMMADANISM, PP 70

(iv) فنڈر، پادری، میزان الحق ص۳۶، ۴۴ (ان سب لوگوں نے شیعہ مآخذ کے حوالے سے یہ نقطۂ نگاہ اپنایا ہے)

۴۷؎ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، جلد اوّل ص۶

۴۸؎ ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل، مطبع الادبیہ، مصر ۱۳۲۰ھ جلد دوم ص۶۱

۴۹؎ ایضاً، جلد دوم ص۷۱ ۵۰؎ حسین ہیکل، عمر فاروق، مطبع مصر شرکتہ المصریہ ۱۳۶۴ھ جلد دوم ص۲۱۳

۵۱؎ مسلم، امام، الجامع الصحیح، مطبع محمد علی، مصر ۱۳۳۴ھ جلد اوّل ص۸

۵۲؎ بحوالہ ابن کثیر، محمد بن اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم (مقدمہ) مطبع مصطفیٰ محمد ۱۹۴۸ء جلد اول ص۵

۵۳؎ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور ص۲۴

۵۴-۵۵؎ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد نہم ص۱۶-۱۷

۵۶ تا ۵۹؎ نور الدین عتر، محاضرات فی علوم القرآن، مطبعۃ دار الکتاب، دمشق ۱۹۹۱ ص۵۴

۶۰؎ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، جلد اوّل ص۲۳۷

۶۱؎ بحوالہ نور الدین عتر، محاضرات فی علوم القرآن ص۵۴

۶۲ تا ۶۴؎ عبداللہ بن ابی داؤد، کتاب المصاحف ص۲۴

۶۵ بہل (BHUL) کی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۱۰۷۳

۶۶ عبداللہ بن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص ۳۲ ۶۷ تا ۶۹ آلوسی، روح المعانی جلد اول ص ۲۸

۷۰ حضرت عیسوی، تاویل القرآن ص ۱۰۱-۱۰۷، آرتھر جیفری کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر ہم حضرت عثمان رض سے قبل کی قرآن کی قراتیں تلاش کرنا چاہیں تو یہ بالکل عبث ہوگا۔ قرآن پورا تھا لیکن آپ نے ضائع کردیا۔ حالانکہ اس کے لکھے ہوئے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی قرآن کے متن کو اکٹھا کرنے کی باقاعدہ کوشش ہی نہیں کی۔ اس سلسلے میں دیکھئے۔ ARTHER JEFFERY, MATERIAL FOR THE HISTORY OF THE TEXT OF THE QURAN (PREFACE) PP. I

۷۱ آرتھر جیفری، حوالہ سابق۔ نیز NALDEKE, T. SKETCHES FROM EASTERN. HISTORY, KHYAT BERUT, PP. 51

72 BHUL, ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM, PP. 1037

73 NDDEKE, SKETEHES FROM EASTERN, PP. 51

۷۴ بحوالہ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن ص ۸۰

75 ARTHER JEFFERY, MATERIAL FOR THE HISTORY OF THE TEXT OF THE QURAN, PP. II

76 (i) NOLDEKE, SKETCHES FROM EASTERN HISTORY, PP. 50
(ii) NICHOLSON, DITERARY HISTORY OF THE ARABS (PREFACE PP. XII - XIII

۷۷، ۷۸ بحوالہ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص ۸۰

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی خالی آسامیوں کو پُر کرنے کے لئے مطلوبہ قابلیت کے حامل حضرات سے درخواستیں مطلوب ہیں ۔

مطلوبہ قابلیت

ا ۔ افواجِ پاکستان کے لئے منظور شدہ کسی دینی مدرسہ سے درس نظامی میں فراغت کی سند ۔
ب ۔ پاکستان کے کسی بورڈ سے کم از کم میٹرک کی سند ۔
ج ۔ روزمرہ امور کے متعلق عربی بول چال میں مہارت، قرأت اور حفظ اضافی قابلیت تصور کی جائے گی ۔

عُمر

یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ۲۰ سال سے کم اور ۲۸ سال سے زائد نہ ہو ۔

عہدہ اور تنخواہ

ملازمت کے لئے منتخب اُمیدواروں کو نائب خطیب (نائب صوبیدار) کا عہدہ دیا جائے گا۔ فوجی وردی کی بجائے منظور شدہ شہری لباس فوج کی طرف سے مُفت مہیا کیا جائے گا۔ فوج کے دیگر جونیئر کمیشنڈ افسروں کیطرح اگلے رینک میں ترقی کی گنجائش ہوگی ۔

الاؤنسز و دیگر مراعات :

وہ تمام الاؤنسز و مراعات جو فوج کے جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں، انہیں بھی حاصل ہونگی۔ مثلاً ذات کے لئے مفت راشن، مفت رہائش (جہاں مہیا ہو ورنہ کوارٹر الاؤنس) اپنے اور بیوی بچوں کیلئے مفت طبّی سہولت، سفر کی مراعات، پنشن، گریجویٹی اور بیمہ کی مراعات وغیرہ وغیرہ ۔

ملازمت کی جگہ :

پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی جگہ ۔

تربیت :

منتخب اُمیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاطر خاص تربیت دی جائے گی ۔

طریق انتخاب :

ا ۔ مختلف مقامات پر ابتدائی تحریری امتحان ۔ ب ۔ انٹرویو ۔ ج ۔ طبّی معائنہ

درخواستیں مجوزہ فارم پر اصل اسناد کی تصدیق شدہ نقول کے ہمراہ شعبہ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ آئی جی ٹی اینڈ ای برانچ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی میں ۱۵، جولائی ۱۹۹۶ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔
درخواستوں کے فارم مذکورہ شعبہ دینی تعلیمات سے ۲/۱ ۲ روپے کا جوابی ڈاک لفافہ بھیج کر حاصل کئے جاسکتے ہیں
فارم طلب کرتے وقت اپنی قابلیت اور سند الفراغ کے بارے میں پوری معلومات لکھیں ۔

پاکستان آرمی

حافظ محمد اقبال رنگونی (برطانیہ)

امریکہ میں اسلام کا مستقبل

مستشرقین یورپ کا یہ پروپیگنڈہ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے اپنی موت آپ مر رہا ہے

پاکستان میں امریکہ کے سفیر مسٹر تھامس سائمنز نے ۴ جولائی کو امریکہ کے یوم آزادی کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام امریکہ میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور آئندہ برسوں میں مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے اسلام امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب ہوگا۔ (جنگ لندن ۵ جولائی ۹۶ء)

امریکی سفیر کا یہ بیان بلاشک و شبہ درست ہے۔ حالات و واقعات اسی بات کی نشان دہی کررہے ہیں کہ امریکہ اور سابق سوویت یونین کی سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد نہ صرف امریکہ اور روس کی ریاستوں میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور غیر مسلموں کو متاثر کررہا ہے بلکہ یورپ، افریقی ممالک اور ایشاء کے غیر مسلم افراد بھی اسلام میں دلچسپی لینے لگے ہیں اور اسلام کے ذاتی محاسن اور اسکی صداقت و حقانیت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپکو حلقہ اسلام میں شامل کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

ان سب ممالک میں اسلام کے تیزی کے ساتھ پھیلنے کا سبب یہ نہیں کہ انہیں کوئی زبردستی اسلام لانے پر مجبور کررہا ہے یا انہیں مالی اور سیاسی تعاون کی پیش کش کی جاتی ہے یا کسی اور طرح کا لالچ دیکر انہیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے، نہیں ہرگز نہیں، اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت مختلف مذاہب کے درمیان معرکہ آرائی کے منازل طے کرنے کے بعد قبولیت اسلام کا اعلان کرتی ہے اور انہیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو انہیں اس دنیا میں مشکلات سے نکال سکتا ہے اور آخرت میں نجات کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ اسلام کا کمال اور اسکا اپنا ذاتی حسن ہے کہ جوں جوں اس پر نگاہ پڑتی جاتی ہے، دل خود بخود قریب ہوتا جاتا ہے اور پھر پکار اٹھتے ہیں کہ۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

امریکہ کے مشہور جریدہ لائف کے ایڈیٹر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسلام تمام مذاہب عالم میں آسان اور واضح ترین مذہب ہے۔ اسکی تعلیمات میں کوئی پیچیدگی نہیں کوئی عقیدہ خلاف عقل نہیں ہے۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں، ص ۳۱۸)

سرد جنگ کے دوران سابق سوویت یونین کے لیڈروں نے اسلام کا نام لینے پر پابندی عائد کردی تھی۔ قرآن کی زیارت اور تلاوت سے محروم کرنے کی ہر ممکن راہ تلاش کرلی گئی۔ اسلام کے حسین چہرہ کو چھپانے کے لئے ہزار جتن کئے گئے لیکن دنیا نے دیکھا اور بخوبی دیکھا کہ ان سب کے باوجود اسلام کا حسین چہرہ پہلے کی طرح تابناک اور روشن نکلا۔ جتنا اسلام کو مٹانے اور دبانے کی کوشش کی گئی اس سے کہیں زیادہ اسلام نے اپنے اثرات پھیلائے اور وقت نے ثابت کردیا کہ اسلام مٹانے والے خود مٹ گئے اور اسلام اسی شان سے آگے بڑھتا چلا گیا اور آج اس قلیل سی مدت میں روسی ریاستوں میں اسلام کا پرچم لہرارہا ہے اور اسلامی تعلیمات کا چرچا عام ہورہا ہے اور اسلام کے قرب پر فخر کیا جانے لگا۔

انہی دنوں امریکہ اور یورپ کے سیاسی اور مذہبی رہنما بھی اسلام کو خوفناک شکل میں پیش کررہے تھے، انہیں یقین ہوچلا تھا کہ سوویت یونین کو سیاسی سطح پر مات دینے کے باوجود ایک بڑی بلکہ بہت بڑی قوت کا سامنا کرنا باقی ہے اور وہ قوت اسلام کی قوت ہے۔ انہیں جارج برناڈشا کا یہ قول چین لینے نہیں دیتا تھا "اگر آئندہ سو سال کے اندر کسی مذہب کے انگلستان میں نہیں بلکہ یورپ میں عوام کے ذہن و فکر پر چھا جانے کا امکان ہے تو وہ صرف اسلام ہے"۔

اسی خطرے کے پیش نظر سرد جنگ کے دوران اور پھر اسکے بعد بھی اسلام کے بارے میں مسلسل اور نہایت ہی غلیظ پروپیگنڈہ کیا گیا۔ مذہبی اور سیاسی طور پر اسلام کو خطرناک ثابت کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی۔ سیاسی اور مذہبی رہنما آگے آگے چلے اور غلط سلط اتہامات اور قوت کے ذریعہ اسلام کو مٹانے اور اس کے حسین چہرہ کو داغدار دکھانے کے منصوبے بنانے لگے

اور ایک منظم منصوبہ کے ساتھ مختلف مقامات سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق کتابوں کا طوفان اٹھایا گیا۔ یورپ اور امریکہ نے لیڈری کا کردار ادا کیا اور ایشیا کے نام نہاد دانشوروں کے ذریعہ اسلام پر رکیک حملے کیے گئے اور پھر ان کتابوں کی عالمی سطح پر تشہیر کی گئی تاکہ پوری دنیا میں یہ مشہور ہوجائے کہ انسانیت کا سب سے بڑا اور خطرناک دشمن اگر کوئی ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کے خلاف طوفان بدتمیزی اٹھانے والے ان رہنماؤں کو بخوبی پتہ تھا کہ جن جن غلیظ اور مکروہ ترین باتوں کو وہ اسلام کی طرف منسوب کررہے ہیں اور تاریخی حقائق کو مسخ کرکے جو صورت پیش کی جارہی ہے، ان باتوں کا نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ اہل اسلام اسکے قائل ہیں لیکن وہ ان باتوں کو اسلام اور اہل اسلام سے منسوب نہ کریں تو ظاہر بات ہے کہ ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ محض اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے عقائد اور اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ کیا گیا۔

امریکہ، یورپ، روس، افریقہ اور ہندوستان۔ جہاں جہاں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے، اس نے بہرحال اعدائے اسلام کے عرصہ دراز سے اچھالے گئے اس پروپیگنڈے کا تار پود بکھیر دیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ مستشرقین یورپ کے اس اعتراض اور پروپیگنڈہ کا جواب دینے کے لئے اب ہمیں تاریخی واقعات سے دلائل مہیا کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ ہمیں صحابہ کرامؓ کے واقعات سے اس اعتراض کا جواب دینے کی حاجت ہے۔ اسی پندرہویں صدی میں (جبکہ امریکہ اور یورپ کھل کر اسلام کی مخالفت پر اتر آیا ہے اور نیو ورلڈ آڈر کے نعرے لگارہا ہے) ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلموں کا قبول اسلام اور اسلامی تعلیمات کی خوبیوں کا اعتراف اعدائے اسلام کے لئے تازیانہ عبرت ہے اور انکے اعتراض کا کافی شافی جواب دے رہا ہے۔ یہ معترضین خود ہی بتائیں کہ امریکہ میں کس نے بزور شمشیر اسلام کو فروغ دیا ہے اور ہزاروں افراد کا قبول اسلام کس کی تلوار کا رہین ہے؟ یورپ کے نو مسلموں کو کس نے جبر کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا ہے؟ اور ہندوستان میں وہ کونسی قوت ہے جو وہاں کے ہزاروں ہندوؤں کو اسلام کے قریب کررہی ہے؟ کاش کہ یہ لوگ میجر ارتھر کلائن لیونارڈ کا یہ بیان پڑھتے جو اس نے اسلام کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے دیا ہے کہ " اسلام ایک ایسا عظیم الشان اور سچا مذہب ہے جو اپنے متبعین کو انسانی

معیار
ہر قیمت پر
نوّے سال سے رُوح افزا کا بلند معیار ہی
رُوح افزا کی مقبولیت کی اساس ہے
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
مدینۃ الحکمۃ
تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ
مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع
بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ
رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔
ہمدرد
راحتِ جاں رُوح افزا مشروبِ مشرق

اندھیروں اور گمراہیوں سے نکال کر روشنی اور سچائی کی بلند چوٹیوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے ۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں ، ص ۱۰۲)

اسلام دین فطرت ہے ۔ اسکے علاوہ جتنے مذاہب اس وقت پائے جاتے ہیں وہ فطرت سے ٹکراتے ہیں اور مصنوعی حسن کے ذریعہ اپنے آپ کو منوانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جوں جوں مصنوعیت کا یہ سیاہ نقاب اترتا ہے ، اندھیروں اور گمراہیوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا ۔ جبکہ اسلام کو مصنوعی حسن کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی نہ ہے اور نہ ہوگی ۔ اسکی تعلیمات اور اسکے احکامات ابدی سچائی لئے ہوئے ہیں اور یہی وہ تعلیمات اور احکامات ہیں جن پر عمل کرنے سے ہر قسم کی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے ۔ جارج برناڈشا کے اس بیان سے مستشرقین یورپ ناواقف نہ ہونگے کہ " اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے پیغام میں اتنی جاندار یت اور عمد گریت ہے کہ وہ زندگی کے بدل رہے ادوار کے تمام تقاضوں کو بطریق احسن پورا کرسکتا ہے اور ہر دور میں انسان کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے ۔ (ایضا ص ۳۱۷)

یورپ اور امریکہ کے وہ تمام مذہبی اور سیاسی دانشور جو اپنے اپنے ممالک میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے پر فکر مند اور پریشان ہیں اور اسکا راستہ روکنے کے لئے ذلیل ترین اوچھی حرکتیں کررہے ہیں ۔ درخواست ہے کہ اپنے دل کو تعصب اور عناد سے صاف کریں اور اسلام کی صداقت اور اسکی حقانیت کا کھلے دل سے اعتراف کرلیں اور اس ابدی سچائی کا ساتھ دیں جو اسلام کے نام سے پوری دنیا میں اپنا آپ منواچکا ہے اور جس نے ہر بڑی سے بڑی مخالفت کے باوجود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردکھادیا ہے ۔ **وما علینا الاالبلاغ المبین** (۹ جولائی ۱۹۹۶ء)

ہلال تاجی

ترجمہ۔ محمد راشد اصلاحی

زمخشریؒ — حیات و خدمات

اقلیم خوارزم سابق سوویت یونین کی دو جمہوریاؤں "ازبکستان اور ترکمانستان" کے درمیان واقع ہے۔ قرون وسطیٰ کے اوائل میں "جرجانیہ" اور "کاث" خوارزم کے دو مشہور شہر تھے۔ "جرجانیہ" دریائے جیحون کے غربی جانب فارس میں تھا اور "کاث" اس کے مشرقی جانب ترکی میں واقع تھا۔ جرجانیہ ایک بڑے دریا کے مغرب میں، جس میں کشتیاں چلا کرتی تھیں اور جو جیحون سے نکل کر اس کے محاذی بہتا تھا، کسی قدر بلندی پر واقع تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں "کاث" کے زوال پذیر ہونے کے بعد جرجانیہ کو اقلیم خوارزم کے سب سے اہم شہر ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور یہ عرف عام میں مدینۃ خوارزم کے نام سے معروف ہو گیا۔[1] اہل جرجان نفیس اور عمدہ کاریگری کے لیے مشہور تھے۔ اسی طرح یہاں کا خربوزہ بہت مشہور تھا اور ایسی حلاوت اور لذت کسی اور جگہ کے خربوزوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔ خوارزم بہت زرخیز علاقہ تھا اور یہاں بنیادی طور پر اون، روئی، میوے، غلے اور کھانے کی اشیاء کی تجارت ہوتی تھی اور جرجانیہ کے بازاروں میں مختلف قسم کی قیمتی اور مشہور پوستینیں بھی فروخت ہوتی تھی۔[2]

زمخشر جس کی طرف زمخشری کی نسبت ہے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو نوزوار اور جرجانیہ کے درمیان واقع تھا۔[3] المقدسی نے اس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے "وہاں ایک قلعہ ہے جس کے چاروں طرف خندق ہے ایک قید خانہ اور مضبوط آہنی دروازے ہیں۔ پلوں کو رات کو اٹھا دیا جاتا تھا۔ بیچ شہر سے ایک سڑک گزرتی ہے اور بازار کے راستے میں ایک خوب صورت جامع مسجد ہے۔"[4]

زمخشری نے اپنے گاؤں سے متعلق ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ زمخشر کے نواح سے ایک اعرابی کا گزر ہوا تو اس نے اس بستی اور اس کے سردار کا نام پوچھا۔ بتایا گیا کہ بستی کا نام زمخشر اور سردار کا نام رداد ہے یہ سن کر

---

[1] سترنج۔ بلدان الخلافۃ الشرقیۃ۔ ترجمہ: بشیر فرنسیس و کورکیس عواد، مطبع بغداد ۱۹۵۴ء ص ۴۸۹-۹۱۔

[2] ایضاً ص ۵۰۲۔ [3] ایضاً ص ۴۹۷۔

[4] المقدسی۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔ مطبع لیڈن ۱۹۰۶ء ص ۲۸۹۔

اعرابی نے کہا کہ شر اور ردے سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور اس کے قریب نہیں گیا۔[4]

ولادت، نام، کنیت اور لقب جار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ بروز بدھ زمخشر میں پیدا ہوئے،[5] علامہ سیوطی نے ان کا سن ولادت ۴۹۷ھ ذکر کیا ہے جو غلط فہمی پر مبنی ہے۔[7] ان کے دادا اور پردادا کے نام کے باب میں مورخین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یاقوت الحموی نے محمود بن عمر بن احمد لکھا ہے۔[8] اور سمعانی ابن خلکان اور ابن کثیر نے محمود بن عمر بن محمد بن عمر ذکر کیا ہے۔[9] جب کہ سیوطی نے انہیں محمود بن عمر بن محمد بن احمد تبلایا ہے۔[10] ان کی کنیت ابو القاسم ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک مقیم رہنے کی وجہ سے "جار اللہ" ان کے لیے بطور لقب استعمال ہونے لگا۔[11] زمخشری کی نشو و نما مشہور وزیر نظام الملک کے عہد میں ہوئی جس کا عہدِ وزارت علوم و فنون کی ترقی کا عہد زریں ہے اور جس کے در پر علماء و فضلاء کا جمگھٹ لگا رہتا تھا۔[12] اسی علم دوست اور علم پرور وزیر کے عہد میں زمخشری نے اپنے والد کے زیر سایہ نشو و نما پائی جو خود بھی ایک دیندار اور متقی، عالم اور ادیب تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے۔[13]

شیوخ زمخشری نے کمسنی ہی میں طلب علم میں رخت سفر باندھا اور نحو و ادب کا علم انہوں نے ابو مضر محمود بن جریر الضبی الاصبہانی اور ابو علی حسن بن مظفر نیساپوری سے حاصل کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے

---

[5] یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبع لایبسک ۱۸۶۷ء ۹۴۱/۲، والزبیدی محمد مرتضی تاج العروس ۲۴۲/۳۔ واحمد بن محمد المقری۔ ازھار الریاض فی اخبار عیاض ۲۹۲/۳۔ القاھرہ ۱۳۶۱ھ۔

[6] السمعانی۔ الانساب ص۲۷۵ لندن ۱۹۱۲ء والانباری۔ نزھۃ الالباء ص۲۹۳۔ القاھرہ۔ دار نھضۃ مصر ویاقوت الحموی۔ ارشاد الادیب ۱۴۷/۷، ابن خلکان۔ وفیات الاعیان ۱۷۳/۵۔ بیروت، الذھبی! المختصر فی اخبار البشر ۱۶/۳، قاسم بن قطلوبغا۔ تاج التراجم ص۷۲ بغداد ۱۹۶۲ء، ابن العماد الحنبلی۔ شذرات الذھب ۱۲۱/۴۔ بیروت [7] جلال الدین السیوطی۔ بغیۃ الوعاۃ ۲۷۹/۲۔ القاھرہ ۱۳۸۴ھ [8] الارشاد ۱۴۷/۷

[9] الانساب ص۲۷۵، وفیات الاعیان ۱۶۸/۵، ابن کثیر۔ البدایۃ والنھایۃ ۲۱۹/۱۲۔ مکتبۃ المعارف ومکتبۃ النصر ۱۹۶۶ء [10] بغیۃ الوعاۃ ۲۷۹/۲

[11] تاج العروس ۲۴۲/۳۔ بیروت

[12] عماد الدین الاصفھانی۔ تاریخ دولۃ آل سلجوق ص۵۹۔ بیروت ۱۹۷۸ء

[13] زمخشری کے والد کے اوصاف کے لیے دیکھئے ان کے دیوان کا مخطوطہ ص۷۱-۷۲۔

شیخ الاسلام ابو منصور نصر الحارثی اور ابو سعد الشقانی سے حدیث کی سماعت کی۔[14] ۵۰۰ھ سے قبل وہ بغداد آئے اور وہاں ابو الخطاب نصر بن البطر سے بھی حدیث کی سماعت کی۔[15] وہاں سے حجاز مقدس کا رخ کیا جہاں وہ ایک عرصہ تک جوار بیت اللہ میں مقیم رہے اور افادہ و استفادہ کا شغل جاری رکھا۔[16] فقہ کا علم انہوں نے شیخ سدید الخیاطی سے حاصل کیا۔[17]

زمخشری نے بڑی عمر میں بھی اپنے بعض ہم عصروں تک سے علم حاصل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔ چنانچہ مأخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن طلحۃ الیابری الاندلسی متوفی ۵۱۸ھ سے سیبویہ کی ”الکتاب“ پڑھی[18] اور ابوبکر محمد بن عمر بن عبدالعزیز سے حدیث روایت کی۔[19] القفطی نے ابوالیمن زید بن الحسن کندی سے نقل کیا ہے کہ جب زمخشری ۵۳۳ ہجری میں بغداد آئے تو اس نے انہیں اپنے شیخ ابومنصور بن الجوالیقی (۴۶۶ھ۔ ۵۴۰ھ) کے پاس دوبارہ اس کیفیت میں دیکھا کہ وہ ان کے سامنے لغت کی بعض کتابوں کے ابتدائی حصے اس نیت سے پڑھ رہے تھے کہ ان سے روایت کی اجازت حاصل کریں۔[20] چنانچہ جوالیقی کا شمار بھی زمخشری کے شیوخ میں ہوتا ہے۔ ابن خلکان کو البتہ ان کے شیخ ابو مضر کے نام میں مغالطہ ہوا اور انہوں نے ان کا نام منصور لکھا ہے[21] جب کہ صحیح وہی ہے جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ اسی طرح زبیدی کو بھی زمخشری کے شیخ ابو منصور نصر الحارثی کے نام کے باب میں دھوکہ ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ان کا نام ابن المنصور الحارثی لکھا ہے۔[22] صحیح بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

سوانحی خاکہ

جب زمخشری طلب علم کی عمر کو پہنچے تو بخارا کے لیے رُخت سفر باندھا لیکن راستے میں سواری سے گرنے کے باعث ان کا ایک پیر ٹوٹ گیا اور زخم کے بگڑ جانے

---

[14] ارشاد الادیب ۱۴۷/۷، والبغیۃ الوعاۃ ۲۷۹/۲، ویاقوت الحموی۔ معجم الادباء ۱۹۰/۹۔ ۱۹۱

[15] السیوطی۔ طبقات المفسرین ص۴۱۔ لیدن ۱۸۳۹ء، الداؤدی، طبقات المفسرین ۳۱۵/۲ القاہرہ ۱۳۹۲ھ

[16] محمد بن احمد الحسنی۔ العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ۱۳۸/۷۔ القاہرہ ۱۹۶۷ء

[17] طاش کبری زادہ۔ مفتاح السعادۃ ۱۰۰/۲ القاہرۃ۔ دار الکتب الحدیثۃ۔

[18] محمد یعقوب فیروز آبادی۔ البلغۃ فی تاریخ ائمۃ اللغۃ ص۲۵۷ دمشق ۱۳۹۲ھ و ازہار الریاض ۷۷/۳ [19] العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ۱۵۰/۷

[20] علی بن یوسف القفطی۔ انباہ الرواۃ علی أنباء النحاۃ ۲۷۰/۳۔ القاہرہ ۱۳۷۴ھ

[21] وفیات الاعیان ۱۶۸/۵، و ۱۷۲/۵ - [22] تاج العروس ۲۴۲/۳

کی وجہ سے اسے کٹوانا پڑا۔[۲۳] بغداد میں فقیہ احمد بن علی الدامغانی نے زمخشری سے جب پیر کے کٹنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ والدہ کی بددعا کا نتیجہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بچپن میں میں نے ایک چڑیا کے پیر میں دھاگا باندھ کر پکڑ رکھا تھا اتفاق سے وہ میرے ہاتھ سے نکل کر ایک سوراخ میں جا گھسی جب میں نے اسے کھینچا تو اس کا پیر ٹوٹ کر دھاگے کے ساتھ آگیا۔ اس سے میری والدہ کو بہت دکھ ہوا اور انہوں نے میرا پیر ٹوٹ جانے کی بددعا دی۔[۲۴]

ماخذ میں ان کے پیر کٹنے کے ایک اور سبب کا بھی ذکر ملتا ہے اور وہ یہ کہ خوارزم کے علاقہ میں ایک سفر کے دوران ان کو شدید برفباری اور سردی نے آلیا جس کے باعث ایک ٹانگ جاتی رہی۔[۲۵] اور یہ واقعہ ہے کہ خوارزم کے علاقہ میں عام طور پر بہت سخت ٹھنڈک پڑتی ہے۔ اس خیال کی مزید تائید ابن خلکان کے اس قول سے ہوتی ہے "برف اور ٹھنڈک کے سبب ان علاقوں میں خصوصاً خوارزم میں اعضاء اس حد تک متاثر ہوتے ہیں کہ اکثر کٹ کر گر جاتے ہیں۔ خود میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے اعضاء اسی باعث کٹے ہوتے تھے۔ چنانچہ اگر کسی کے مشاہدہ میں یہ بات نہ آئی ہو تو اسے مستبعد نہیں سمجھنا چاہئے۔[۲۶]

اس طرح زمخشری ایک پیر سے معذور ہو جانے کے بعد لکڑی کا ایک مصنوعی پیر استعمال کرنے لگے اور چلتے وقت اس کو کپڑے سے اچھی طرح ڈھانکے رہتے تھے۔ جس سے دیکھنے والے کو یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ لنگڑے ہیں۔[۲۷]

کہا جاتا ہے[۲۸] کہ ان کے والد زمخشر میں مسجد کے امام تھے۔ زمخشری کی معذوری کی بنا پر انہیں درزی کا کام سکھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ مجھے شہر پہنچا کر وہیں چھوڑ دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے زمخشری کو شہر پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش بختی سے نوازا اور رزق کی طرف سے ان کو بے فکر کر دیا۔ اپنی اسی مجبوری کی طرف زمخشری نے اپنے درج ذیل قول میں اشارہ کیا ہے "کم رأیت من أعرج فی درج المعالی اعرج ومن صحیح القدم لیس لہ فی الخیر القدم"[۲۹]

---

[۲۳] انباہ الرواۃ علی أنباء النحاۃ ۳/۲۶۸، بغیۃ الوعاۃ ۲/۲۸۰، ارشاد الاریب ۷/۱۴۷
[۲۴] انباہ الرواۃ ۳/۲۶۸۔ وارشاد الاریب ۷/۱۴۷۔
[۲۵] وفیات الاعیان ۵/۱۶۹۔ [۲۶] ایضاً ۵/۱۶۹
[۲۷] مفتاح السعادۃ ۲/۹۹۔ [۲۸] ایضاً ۲/۱۰۰
[۲۹] الزمخشری۔ نوابغ الکلم ص۱۱۔ القاہرۃ۔ مرتبہ عبد الحمید الحنفی۔

بعینی میں نے بہت سے ایسے معذور دیکھے جو عظمت کی بلندیوں کو جا لیتے ہیں اور بہت سے پاؤں کے تندرست ایسے ہیں جن کا بھلائی میں کوئی حصہ نہیں۔"

زمخشری نے اپنی پوری زندگی تجرد میں بسر کی اور شادی بیاہ اور آل اولاد کے بکھیڑوں سے کنارہ کش رہے۔ ہمارے بعض معاصرین کا خیال ہے کہ محبت میں ناکامی اور جسمانی نقص کا احساس ان کے اس قنوطی نقطہ نظر کے ذمہ دار ہیں۔ [۳۰]

زمخشری اپنے والد، والدہ، ماموں اور اپنے استاد ضبی کی وفات کے صدموں سے یکے بعد دیگرے دوچار ہوئے۔ انہوں نے ان کا بہت کچھ غم منایا اور ان کے مرثیے لکھے خصوصاً اپنے شیخ اور استاد کی موت کا ان پر بہت گہرا اثر پڑا اور اس نے ان کی زندگی کو شدید غم کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ وہ خوارزم میں مقیم رہے اور لوگ دور دراز سے سفر کر کے وہاں آتے اور وہاں آنے والوں کا جمگھٹ لگا رہتا۔ [۳۱] علم وفضل کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود وہ سمجھتے تھے کہ وہ ناقدری کا شکار ہیں کیونکہ جاہ ومنصب اور مال ومتاع سے محروم تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بعض اشعار میں اپنے ان احساسات کا اظہار بھی کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔ [۳۲]

وما حق مثلی ان یکون مضیعا وقد عظمت عند الوریٰ رسا ملی

ولم أدر أن الأرذلین یرون ما تمنوا وانی لست احظی بطائل

زمخشری نے جب دیکھا کہ عیش وخوشحالی تو جاہلوں کا مقدر ہے اور اصحابِ علم کی قسمت میں محض ابتلا وآزمائش ہے تو انہوں نے اپنے اس احساس کو شعر کے قالب میں ڈھال دیا۔ [۳۳]

أشکو الی اللہ جفوۃ الزمن ودولۃ ما تزال تظلمنی

تؤثر جہالہا بنعمتہا وتقصد الفاضلین بالمحن

قلبی لا یعرف السرور وما اعرف قلبی بشدۃ الحزن

زمخشری نے جاہ ومنصب کے حصول کے لیے نظام الملک، اس کے بیٹے مؤید الملک اور بعض سلجوقی

---

[۳۰] بہیجۃ حسنی۔ الزمخشری شاعراً ص ۴-۵ طبع بغداد ۱۹۷۵ء

[۳۱] انباہ الرواۃ علی انباء النحاۃ ۳/۲۶۶۔

[۳۲] دیوان الزمخشری ص ۹۵۔ اس کی ایک کاپی المجمع العلمی العراقی کی لائبریری ہے جس کا نمبر ۶۷ ہے۔ [۳۳] ایضاً ص ۱۱۳

سلاطین اور امراء کی مدح میں قصیدے بھی لکھے۔ لیکن اس سے بھی انہیں اپنی خواہش کی تکمیل میں کامیابی نصیب نہ ہوئی تو انہوں نے وطن عزیز ہی کو خیر باد کہہ دیا۔

زمخشری جب حج کے لیے جاتے ہوئے بغداد پہنچے تو شریف ابوالسعادات ہبۃ اللہ بن الشجری ان کو ملے اور ان کو خوش آمدید کہا اور جب بیٹھ گئے تو یہ شعر پڑھا۔

كانت مسائلة الركبان تخبرني — عن احمد بن داؤد اطيب الخبر

حتى التقينا فلا والله ما سمعت — أذني باحسن مما قد رأى بصري

واستكبر الاخبار قبل لقاءه — فلما التقينا صغر الخبر الخبر

اور زمخشری کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی۔ جب الشریف کی بات پوری ہوگئی تو زمخشری نے اپنے امتنان و تشکر کا اظہار کیا۔ بہت تعظیم و توقیر کی اور بہت خاکساری کا مظاہرہ کیا۔ اور کہا "زید الخیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپؐ کو دیکھا تو باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے زید الخیل ہر شخص کو میں نے اس سے کم تر پایا جتنا اس کے بارے میں مجھ کو بتایا گیا تھا۔ سوائے تمہارے کہ تم اس سے زیادہ ہو جتنا تمہارے بارے میں مجھ کو بتایا گیا"۔ یہی حال شریف کا بھی ہے چنانچہ زمخشری نے ان کی تعریف کی اور انہیں دعائیں دی۔ حاضرین کو دونوں کی باتوں پر تعجب ہوا۔ اس لیئے کہ حدیث الشریف کے حال کے بالکل مطابق تھی اور شعر زمخشری کے حالات کے عین مناسب رہے[۳۴]

۵۱۲ھ میں زمخشری ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوئے اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اگر وہ اس شدید بیماری سے شفایاب ہوگئے تو آئندہ نہ کبھی کسی سلطان کے دربار میں حاضری دیں گے اور نہ اس کی مدح سرائی کریں گے اور نہ کبھی اس کے تحفے تحائف قبول کریں گے بلکہ کامل توکل علی اللہ کے ساتھ عبادت و ریاضت کریں گے اور قرآن، حدیث اور فقہ جیسے مفید علوم کی درس و تدریس میں وقت گزاریں گے۔[۳۵]

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبول بخشا اور وہ شفایاب ہوگئے۔ شفایاب ہونے کے بعد انہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور ۵۱۶ھ ہجری میں مکہ مکرمہ کا قصد کیا تاکہ فریضۂ حج ادا کریں اور باقی عمر بھی جوار بیت اللہ میں بسر کریں۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر زمخشری نے مسافرت کی زندگی کو خیر باد کہا اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہاں

---

[۳۴] عبدالرحمن الانباری۔ نزہۃ الالباء ص ۳۹۲۔ القاہرہ۔ دار نہضۃ۔ مصر۔ ارشاد الاریب ۱۴۷/۷۔ ۱۴۸۔

[۳۵] دیکھیے مقدمہ "المقامات" للزمخشری۔ مصر ۱۳۱۲ھ۔

کی ایک اہم شخصیت شریف امیر علی بن عیسیٰ بن حمزہ الحسنی، جو ابن وہاس کے نام سے مشہور ہیں سے ان کے تعلقات استوار ہوگئے ۔ وہ خود بھی ایک اچھے ادیب اور شاعر تھے ۔ انہوں نے زمخشری کی اس حد تک قدر افزائی کی کہ پچھلے دنوں کی یاد ان کے دل سے جاتی رہی ۔ اس خصوصی تعلق کی بازگشت دو چیزوں میں ظاہر ہوئی ایک تو یہ کہ زمخشری نے اپنی متعدد کتابوں کا انتساب ابن وہاس کے نام کیا۔ دوسرے ایک دوسرے کے لیے گہرا اور پاکیزہ تعلق خاطر جو ان کے اشعار کے اندر رچا بسا ہوا ہے ۔ دونوں ہی نے اپنے اشعار میں ایک دوسرے کے محاسن کی خوب نغمہ سرائی کی ہے ۔ [۳۶]

قیام مکہ مکرمہ کے دوران زمخشری نے اپنے آپ کو اپنی بہترین تصنیفات کے لیے یکسو کر لیا۔ اس کے علاوہ درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ نتیجۃً عالم اسلام کے گوشے گوشے سے طالبان علم ان سے استفادہ کے لیے وہاں کا رخ کرنے لگے ۔ ان کی علمی شہرت کے پھیل جانے کے بعد بہت سے اہل علم نے بھی ان سے اجازت چاہی ۔ بعض کو تو انہوں نے اجازت دیدی اور بعض کو اجازت نہیں دی ۔ ماخذ سے واضح ہے کہ قاضی عیاض نے زمخشری سے اجازت چاہی لیکن انہوں نے انہیں اجازت نہیں دی ۔ [۳۷] اسی طرح حافظ ابو الطاہر احمد بن محمد السلفی نے ان سے دو مرتبہ اجازت چاہی انہوں نے دوسری مرتبہ اجازت دیدی [۳۸]

جوار بیت اللہ میں زمخشری کو مادی اور روحانی سکون میسر ہوا۔ تحقیق و تصنیف کے لیے یکسوئی ملی ۔ تشنگانِ علم کا ان کے گرد جمگھٹا لگا رہتا تھا جو دور دراز سے ان کے پاس علم کی پیاس بجھانے آتے تھے ۔ اور انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے ۔ اس کے باوجود وطن کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے ہاتھوں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے گو کہ انہیں جلد اس پر شدید ندامت کا احساس ہوا جس کا انعکاس ان کے اشعار میں پایا جاتا ہے ۔ مندرجہ ذیل اشعار میں اسی ندامت کا احساس جھلکتا ہے ۔ [۳۹]

ھوالنفس الصعاد عن کبد حری	إلی أن أری أم القری مرۃ أخری
سریت یشخصی لہ بنفسی وھمتی	وھیھات ماللاخشبین وللمسری

---

[۳۶] قصیدہ کے لیے دیکھئے زمخشری کا دیوان ، ص ۷۷ ۔ ۸۰

[۳۷] احمد بن محمد المقری ۔ ازھار الریاض فی اخبار عیاض ۳/۲۸۲ ۔ القاھرہ ۱۳۶۱ھ

[۳۸] دیکھئے: مجلۃ المجمع العلمی العراقی ۔ ۲۳/۱۵۷ ۔ ۱۹۵

[۳۹] ازھار الریاض ۳/۲۹۴

مقیھان عندالبیت ماذرشارق　　منیخان بالبطحاء ماذکت الشعری

اسی زمانے میں زمخشری پر تصوف کا رنگ غالب آگیا۔ اس کے زیر اثر انہوں نے اپنی تمام کتابیں امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر وقف کردیں اور کتاب اللہ کے علاوہ ان کے پاس کچھ باقی نہ رہا تاکہ کوئی شغلہ اس پر غور وخوض کی راہ میں حارج نہ ہوسکے۔ پھر ان پر قناعت کا رنگ ایسا چڑھا جس کی سرحدیں مایوسی سے جا ملتی ہیں۔ پھر انہوں نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تاکہ حرم کی پناہ میں زندگی کے باقی ایام گزار سکیں اور داعیٔ اجل کے انتظار میں زہاد کی بودوباش اختیار کرلی[40] ماٰخذ سے پتہ چلتا ہے کہ زمخشری ایک بار پھر خوارزم واپس آئے جہاں شب عرفہ ۵۳۸ھ کرکانج میں وقت موعود آپہنچا۔[41] یہ کرکانج خوارزم کے بڑے اور اہم شہروں میں سے ہے۔ جیحون کے کنارے واقع ہے۔[42] اور عربی میں اسے جرجانیہ کہتے ہیں۔ بعض فضلاء نے ان کی یاد میں مرثیے لکھے۔[42] زمخشری نے وصیت کی تھی کہ ان کی لوحِ مزار پر یہ اشعار لکھ دیئے جائیں۔[43]

الٰہی قد اصبحت ضیفک فی الثری　　وللضیف حق عند کل کریم

فھب لی ذنوبی فی قرای فانھا　　عظیم ولا یقری بغیر عظیم

زمخشری کے تلامذہ

زمخشری علامۃ العصر تھے چنانچہ ان کے تلامذہ اور ان سے اخذ واستفادہ کرنے والوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ قفطی نے لکھا ہے کہ زمخشری جس شہر میں بھی داخل ہوتے لوگ ان کے گرد جمع ہوجاتے اور ان سے استفادہ کرتے[45] اب اگر یہ ممکن نہیں کہ سب کا ذکر کیا جائے تو بہتوں کے ذکر سے صرفِ نظر بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ ان کے تلامذہ میں بعض حسب ذیل ہیں۔

۱۔ زینب بنت عبدالرحمٰن الشعری، یہ ابن خلکان اور ان کے استاد ابن النجار کی استاد تھیں۔[46]

---

[40] ایضاً ۳/۲۸۴، ۲۸۵ ومجلۃ المجمع العلمی العراقی ۲۳/۱۷۸۔۱۷۹

[41] نزھۃ الادباء ص ۳۹۳، ارشاد الادیب ۷/۱۴۸ وفیات الاعیان ۵/۱۷۳، تاج التراجم ص۷۲ لسان المیزان ۶/۴، بغیۃ الوعاۃ ۲/۲۸۰، تذکرۃ الحفاظ ص۱۲۸۳، المستفاد ص۲۹۲، المنتظم ۱۰/۱۱۲۔ کامل ابن الاثیر ۱۱/۹۷، مراٰۃ الجنان ۳/۲۶۹، البدایۃ والنہایۃ ۱۲/۲۱۹، دول الاسلام ۲/۵۶

[42] عبدالمؤمن بن عبدالحق البغدادی۔ مراصد الاطلاع ۳/۱۱۵۹۔ القاھرۃ ۱۳۷۳ھ وفیات الاعیان ۵/۱۷۴ وانباہ الرواۃ ۳/۲۶۸۔ [43] دیکھئے وفیات الاعیان ۵/۱۷۳

[44] الداؤدی۔ طبقات المفسرین ۲/۳۱۶ [45] القفطی۔ انباہ الرواۃ ۳/۲۶۶

[46] الوفیات ۵/۱۷۱ و سیر اعلام النبلاء ۲۰/۱۵۱۔ ۱۵۶۔

۲۔ابو اسماعیل یعقوب بن شربن الجندی ۔ان کے متعلق زمخشری کہتے ہیں "یہ اپنے عہد کے سب سے زیادہ صاحب فضیلت، صاحب عقل، زیرک اور ہوشیار نوجوان ہیں ۔سلطان خوارزم کے کاتب تھے لیکن بعد میں سبکدوش ہوگئے ۔عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں ۔یہ ان لوگوں میں شامل ہیں جن کی تعلیم وتربیت پر میں نے خصوصی توجہ دی ہے اور علم وفضل کی بلندیوں تک ان کو پہونچایا ۔یہ میرے ترکش کا سب سے زیادہ قابل اعتماد تیر ہے "[۴۷]

۳۔ضیاء الدین المکی ۔انہوں نے "انموذج الزمخشری" کی شرح لکھی اور اس کا نام "کفایۃ النحو فی علم الاعراب" رکھا۔اس کے کئی مخطوطات موجود ہیں ۔جن کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے ۔[۴۸]

۴۔ابو الفضل محمد بن ابی القاسم بن بایجوک البقال الخوارزمی ۔زمخشری نے انہیں کو اپنے علمی سلسلے کا جانشین مقرر کیا تھا۔ ۳۰ جمادی الاخری ۵۶۲ھ میں قریب ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا ۔حسب ذیل تصانیف کے مصنف تھے ۔

"اسرار العرب وافتخار العرب"، "مفتاح التنزیل"، "تقویم اللسان فی النحو"، "الاعجاب فی الاعراب"، "البدایۃ فی المعانی والبیان"، "منازل العرب"، شرح أسماء الله الحسنیٰ"[۴۹]

۵۔ابو المؤید الموفق بن احمد المکی (۴۸۴ھ۔۵۶۸ھ) جو اخطب خوارزم کے نام سے مشہور تھے ۔اور مشہور مصنف تھے ۔اپنے شیخ زمخشری کی مدح میں انہوں نے بہت اشعار کہے تھے[۵۰]

۶۔امام رکن الدین محمود الاصولی اور امام ابو منصور دونوں علم تفسیر میں زمخشری کے شاگرد تھے ۔[۵۱]

۷۔سمعانی نے لکھا ہے[۵۲] کہ " ابو المحاسن اسماعیل بن عبد اللہ الطویلی نے طراستان میں ابو المحاسن عبد اللہ بن عبد اللہ البزاز نے ابیورد میں، ابو عامر بن الحسن السمار نے زمخشر میں، ابو سعد احمد بن محمود نے

---

[۴۷] ازھار الریاض ۳/۲۸۷ واستجازہ الحافظ السلفی الزمخشری ص۱۴۴ بغداد ۱۹۷۳ء ۔

[۴۸] بروکلمان ۔تاریخ الادب العربی ۵/۲۲۸، ۲۳۸

[۴۹] بروکلمان ۔الترجمۃ العربیۃ ۵/۲۳۹ ومعجم الادباء ۱۹/۵

[۵۰] اشعار کے لیے دیکھئے : ازہار الریاض ۳/۲۹۱

[۵۱] مفتاح السعادۃ ۲/۱۰

[۵۲] عبد الکریم بن محمد السمعانی ۔الانساب ص۲۷۷ مرجلیوث ۔مزید دیکھئے : سیر اعلام النبلاء ۲۰/۱۵۱ ۔۱۵۶ ۔

سمرقند میں اور فقیہ ابو الطاہر سامان بن عبد الملک نے خوارزم میں مجھ سے زمخشری سے روایت کی ہے۔

۸۔ علی بن محمد العمرانی۔ انہوں نے زمخشری سے "المحاجاۃ بالمسائل النحویۃ" پڑھی تھی، کئی عمدہ کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

کتاب المواضع والبلدان" "کتاب تفسیر القرآن" "کتاب اشتقاق الاسماء" ۵۶۶ھ کے قریب وفات پائی۔[53]

۹۔ قاضی ابو المعالی یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن علی الشیبانی، یہ مکہ مکرمہ میں قاضی تھے۔ انہوں نے حرم شریف میں تفسیر "الکشاف" کی روایت زمخشری سے کی ہے۔[54]

۱۰۔ ابو الطاہر برکات بن ابراہیم الخشوعی کو زمخشری نے اجازت دی تھی۔[55]

۱۱۔ نحو وادب کے مشہور امام یعقوب بن علی بن محمد جعفر البلخی نے زمخشری سے استفادہ کیا اور بہت دنوں ان کا فیض صحبت اٹھایا۔[56]

۱۲۔ جن لوگوں نے زمخشری سے اجازت طلب کی ان میں محمد بن عبد الملک البلخی بھی شامل ہیں، جو رشید الدین الوطواط سے زیادہ مشہور ہیں۔ اپنے زمانے میں نظم ونثر دونوں کے امام سمجھے جاتے تھے کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں "حدائق السحر فی دقائق الشعر" شامل ہے۔[57]

زمخشری کا مسلک

ماخذ اس امر پر متفق ہیں کہ زمخشری مسلکاً معتزلی تھے اور وہ اس کا برملا اعلان کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تفسیر میں مسلک اعتزال کو کھل کر بیان کیا ہے اس سلسلہ میں وہ مناظرہ تک کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔[58] زمخشری نے مسلک اعتزال اپنے شیخ ابو مضر محمود بن جریر الضبی کے زیر اثر قبول کیا۔ یہ بہت دنوں تک خوارزم میں مقیم رہے۔ وہاں بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور ان کی سرپرستی میں اہل علم کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی۔ خوارزم میں مسلک اعتزال کی اشاعت انہیں کے ذریعہ ہوئی۔ ان کی علمی جلالت کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے زیر اثر یہ مسلک اختیار کیا۔ انہیں میں زمخشری بھی شامل ہیں۔

---

[53] معجم الادباء ۱۵/۶۱ [54] العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ۷/۱۳۸۔

[55] ایضاً ۷/۱۳۹ [56] معجم الادباء ۲۰/۵۵

[57] ایضاً ۱۹/۲۹ [58] ارشاد الاریب ۷/۱۴۷ وفیات الاعیان ۵/۱۷۰ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۳/۱۵۴ [59] ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۲/۲۱۹۔

زمخشری کو اعتزال کے باب میں اتنا تشدد تھا کہ وہ خانہ کعبہ کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کہتے تھے "میں معتزلی شیخ ہوں، ہے کوئی جو سامنے آئے۔" [۶۰] مأخذ سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ فروع کے معاملہ میں وہ حنفی تھے البتہ اصول کے باب میں معتزلی تھے۔[۶۱] ابن الاہدل کہتے ہیں کہ ان کا شمار احناف کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ البتہ عقیدتاً وہ معتزلی تھے۔[۶۲]

ان کی حنفی مسلک سے وابستگی دو چیزوں سے واضح ہے۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "شقائق النعمان فی حقائق النعمان" رکھا۔[۶۳] دوسرے انہوں نے اپنی کتابوں کو امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر وقف کر کے وہیں منتقل کر دیا۔[۶۴] لیکن ایک شعر کی وجہ سے جسے زمخشری نے اپنی کتاب "الفائق فی غریب الحدیث" میں نقل کیا ہے۔ ان کے مسلک کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔

اذا سئلوا عن مذهبی لم ابح به
واکتمه کتمانه لی أسلم

زمخشری کے بارے میں اہل علم کے خیالات

زمخشری کے بارے میں بعض اہل علم کے تاثرات و آراء کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے

یاقوت الحموی نے ان کے متعلق لکھا ہے: "وہ فن تفسیر و حدیث اور عربی زبان و ادب کے امام تھے ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور غیر معمولی قدر و منزلت کے مالک تھے اور بیک وقت انہیں مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل تھی۔[۶۵] ابن خلکان نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں "تفسیر، حدیث، نحو، زبان و ادب اور علم بیان کے عظیم ماہر تھے۔ وہ اپنے عہد کے امام تھے۔ دور دراز سے مختلف علوم و فنون کے حصول کے لیے تشنگان علم ان کے پاس آتے تھے"[۶۶] القفطی نے یہ لکھا ہے "ادب، نحو اور لغت میں ان کا علم ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ علم و ادب کے علامہ اور انساب عرب کے بہت بڑے ماہر تھے"[۶۷]

---

[۶۰] السیوطی۔ طبقات المفسرین ص۴۱۔ [۶۱] ابن الجوزی۔ المختصر فی اخبار البشر ۳/۱۶۔

[۶۲] ابن العماد الحنبلی۔ شذرات الذهب ۴/۱۲۱۔ بیروت۔ [۶۳] إرشاد الاریب ۷/۱۵۱

[۶۴] استجازه الحافظ السلفی الشیخ الزمخشری۔ مجلد المجمع العلمی العراقی ۲۳/۱۷۸-۱۷۹

[۶۵] إرشاد الاریب ۷/۱۴۷ [۶۶] وفیات الاعیان ۵/۱۶۷

[۶۷] انباه الرواة ۳/۲۶۵-۲۶۶۔

سیوطی کا یہ بیان ہے "ان کا علم بہت وسیع تھا، بڑے صاحب فضل تھے۔ ذکاوت و فطانت میں بے مثال تھے اور ہر علم و فن میں لاجواب تھے۔" ۶۸ الذہبی کا یہ خیال ہے "بلاغت، عربی زبان و ادب، معانی، بیان اور شعر گوئی میں یکتائے روزگار تھے۔" ۶۹ ابن حجر نے یہ لکھا ہے "بلاشبہ زمخشری کو بلاغت کے مختلف پہلوؤں پر قدرت حاصل تھی اور زبان و بیان پر انہیں ملکہ حاصل تھا۔" ۷۰ فیروز آبادی کا یہ بیان ہے "یہ بات مسلم ہے کہ زمخشری عربی زبان، نحو اور بیان کے عظیم عالم تھے۔" ۷۱ الزبیدی یہ کہتے ہیں "وہ علامۂ دہر تھے۔" ۷۲ الیافعی کا یہ خیال ہے "وہ مختلف علوم و فنون میں امام عصر تھے۔" ۷۳ القزوینی یہ لکھتے ہیں "وہ عربی زبان و ادب اور علم بیان کے ماہر تھے، وہ مختلف قابل تعریف کتابوں کے مصنف ہیں، الفاظ و معانی میں ایجاز کے ساتھ ساتھ وہ فصاحت و بلاغت ان کے یہاں پائی جاتی ہے کہ جس کی مثال کسی اور کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ ان کی عبارت میں کسی ایک حرف کی کمی بیشی کی جائے تو یہ نقص واضح ہو جائے گا۔" ۷۴ یوسف بن تغری بردی یہ کہتے ہیں "وہ اپنے عہد کے عدیم النظیر عالم، بے مثال شخصیت اور عظیم الشان امام تھے۔" ۷۵ طاش کبری زادہ نے یہ لکھا ہے "علم اعراب، عربی زبان و ادب اور علم معانی و بیان میں دنیا انہیں امام تسلیم کرتی۔ وہ ظاہر و باطن میں نہایت پاکباز اور حسن طینت تھے، علم و فضل میں نادر روزگار تھے۔ ذکاوت و فطانت میں بحر ذخار تھے اور مختلف علوم میں ملکہ حاصل تھا۔" ۷۶ ابن الاثیر الجزری کا یہ بیان ہے "عربی زبان و ادب میں ان کی مثال پیش کی جاتی۔" ۷۷ ابن ابی الوفاء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے "امام کبیر کی زبان و ادب میں مثال دی جاتی۔" ۷۸

جاری ہے۔

---

۶۸ بغیۃ الوعاۃ ۲/۲۸۰ ۶۹ سیر اعلام النبلاء ۲۰/۱۵۱-۱۵۶

۷۰ ابن حجر عسقلانی۔ لسان المیزان ۶/۴ حیدر آباد دکن ۱۳۳۱ھ

۷۱ محمد بن یعقوب فیروز آبادی۔ البلغۃ فی تاریخ ائمۃ اللغۃ ص۲۵۶، دمشق ۱۳۹۲ھ

۷۲ الزبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس ۳/۲۴۲ بیروت

۷۳ مرآۃ الجنان ۳/۲۶۹ ۷۴ القزوینی، زکریا بن محمد۔ آثار البلاد و اخبار العباد ص۵۳۳ بیروت ۱۳۸۹ھ ۷۵ ابن تغری بردی۔ النجوم الظاہرۃ ۵/۲۷۴۔ دار الکتب المصریۃ، مصر ۷۶ مفتاح السعادۃ ۲/۹۷

۷۷ ابن الاثیر الجزری۔ اللباب فی تہذیب الانساب ۲/۴۷۔ دار صادر بیروت۔

۷۸ ابن ابی الوفاء القرشی۔ الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ۲/۱۶۰

The First Name in Bicycles, brings ANOTHER FIRST

SOHRAB VIP SPORTS

Sohrab, the leading national bicycle makers now introduce the last word in style, in elegance, in comfort... absolutely the last word in bicycles.
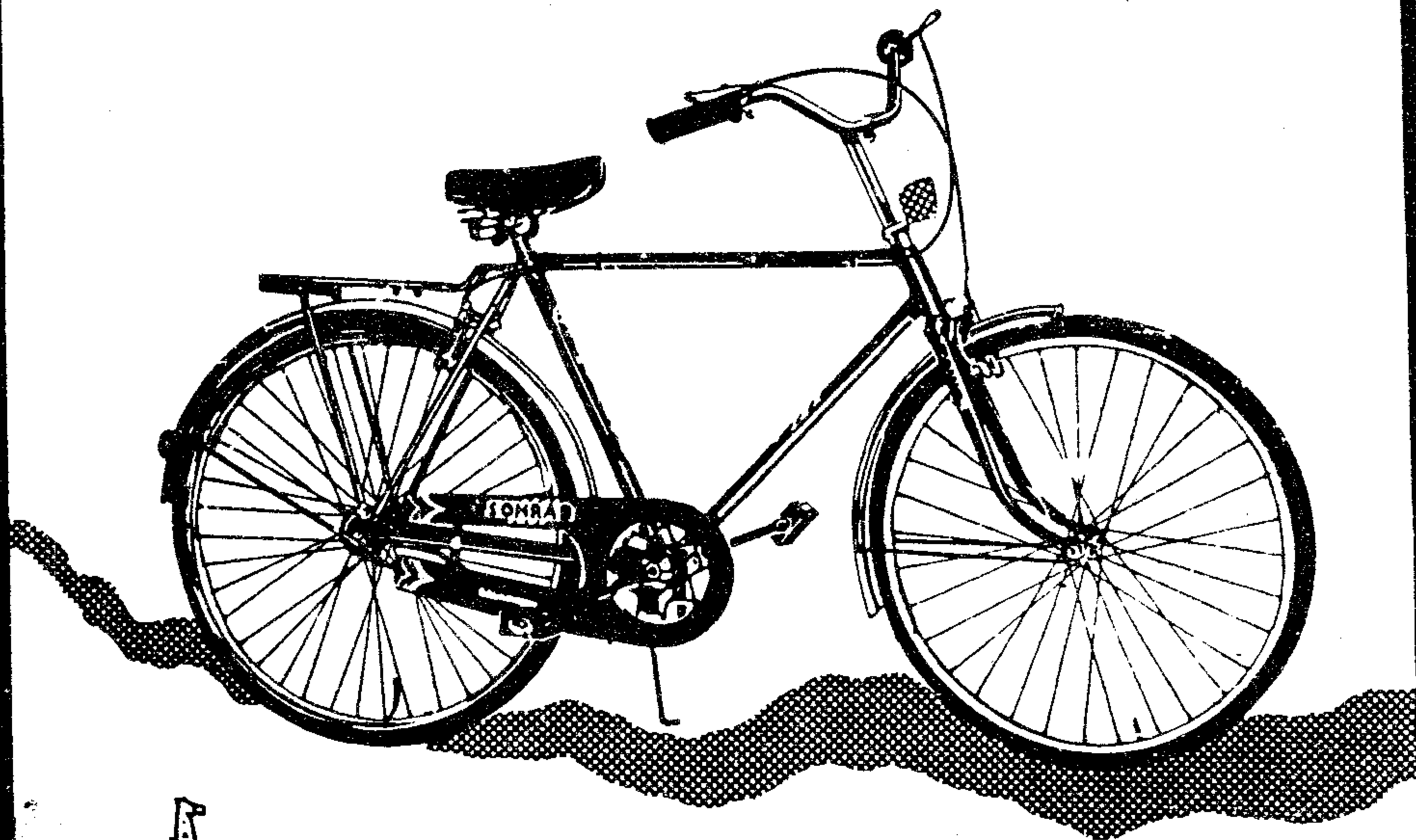
PAKISTAN CYCLE INDUSTRIAL COOPERATIVE SOCIETY LIMITED
National House, 47 Shahrah-e-Quaid-e-Azam, Lahore, Pakistan.
Tel: 7321026-8 (3 Lines). Telex: 44742 CYCLE PK. Fax: 7235143. Cable: BIKE

طاہر شاہ یوسف زئی

رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَۃً لِّلعٰلَمِین (ترجمہ) "اے محمدؐ ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ تمام کائنات کے لیے سراپا رحمت و محبت تھے، اس رحمت عامہ میں مومن کافر اور ساری مخلوق شامل ہے اور مومنین کے لیے خاص طور پر رؤف و رحیم بنایا۔ عالمین عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقات، انسان، جن، حیوانات۔ جمادات سب شامل ہیں، حضورؐ کا ان چیزوں کے لیے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اُس کی عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور (از روئے حدیث) زمین پر کوئی کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا تو ان سب چیزوں کو موت یعنی قیامت آجائے گی اور جب ذکر اللہ و عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسول اللہؐ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپؐ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انما انا رحمۃ مہداۃ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں (اخرجہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ) اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا انا رحمۃ مہداۃ برفع قوم و خفض آخرین۔ یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سربلند کروں اور دوسری قوم (جو اللہ کے حکم ماننے والی نہیں) کو پست کروں (ابن کثیر کذا فی معارف القرآن)۔ اسی حدیث پاک کی تشریح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی کہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تحفہ کے طور پر عطا فرمایا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ہدیہ قبول کیا وہ کامیاب ہو جائے گا اور جس نے قبول نہ کیا وہ ذلیل اور خوار ہوگا۔

آپؐ اپنی ذات کے لحاظ سے مجسم رحمت ہیں خالص انفرادی اور ذاتی معاملات میں بھی آپؐ کی یہ خصوصیت نمایاں رہی مثلاً دکھی انسانیت کی ہمدردی اور مظلوموں کی شدید حمایت آپؐ کے خاص اوصاف تھے۔ یتیموں اور بے بسوں کی مدد کرنا آپؐ کا محبوب مشغلہ تھا۔ نبوت ملنے کے بعد اُمت کے لیے آپؐ کی

رحمت ومحبت میں اور اضافہ ہوا، جو لوگ آپؐ کو ایذائیں اور گالیاں دیتے تھے تو آپؐ ان سے حسن سلوک کرتے اور رورو کر دعائیں مانگتے۔ قرآن مجید میں آپؐ کی اس بے پناہ شفقت اور محبت کا ذکر نہایت بلیغ الفاظ میں فرمایا ہے ارشاد پاک ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (ترجمہ) بے شک تمھارے پاس تمھی سے ایک رسول آیا ہے جسے تمھاری تکلیف گراں گزرتی ہے تمھاری بھلائی کے معاملے میں) بہت حریص ہیں اور مومنوں پر بہت شفیق اور مہربان ہیں" (التوبہ)

آپؐ کی رحمت کا سایہ صرف نسل انسانی کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ تمام عالم حیوانات بھی اس رحمت کامل سے مستفید ہوتے رہے۔ آپؐ کے سامنے جب کسی حیوان پر ظلم ہوتا تھا تو آپؐ ظلم کرنے والے کو منع کرتے تھے۔ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ آپؐ ایک ضرورت کے لیے وہاں سے تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے گئے۔ اس درمیان ہم نے ایک چھوٹی چڑیا دیکھی اس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے دونوں بچے لے لیے وہ یہ دیکھ کر اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگی آپؐ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے اس کے بچے چھین کر اس کو تکلیف پہنچائی ہے۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس کے بچے واپس کر دیں۔ یہاں ہم نے چونٹیوں کی ایک آبادی دیکھی اور اُس کو جلا دیا آپؐ نے فرمایا اس کو کس نے جلایا ہے ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے آپؐ نے فرمایا کہ آگ سے عذاب دینے کا حق صرف آگ کے رب کو ہے۔

آپؐ کے پیغام نبوت نے انسانوں کو جہالت، شرک اور مظالم کی وادیوں سے نکالا، آپؐ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ بتوں اور پتھروں کے آگے جھکی ہوئی پیشانیوں کو اپنے مالک حقیقی سے روشناس کرایا جس کی بدولت انسان میں اپنی عظمت اور شرافت کا احساس پیدا ہوا۔ آپؐ نے ذات پات کی ڈسی ہوئی انسانیت کو وحدت انسانی کا شعور دلایا اور احترام انسانیت کا پیغام دیا۔ آپؐ نے بتایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور زمین پر خدا کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے سب سے زیادہ قابلِ احترام ہے۔ حضورؐ کی بے پناہ رحمت کے نتیجے میں دنیا کی رُت بدل گئی انسانوں کے مزاج بدل گئے۔ دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا۔ انسانوں کو اُن کے جائز حقوق دلائے گئے عورتوں اور کمزور طبقات کو اُن کا صحیح مقام ملا۔ آپؐ کا یہ پیغام روزِ قیامت تک تمام انسانیت کے لیے مشعل راہ کی حیثیت سے زندہ وتابندہ رہے گا۔

ہجرت سے پہلے مدینہ کی درسگاہیں مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

بیعت عقبہ اولی کے بعد ہی مدینہ منورہ میں قرآن اور دین کی تعلیم کا چرچا ہو گیا تھا اور قبیلہ انصار کی دونوں شاخ اوس اور خزرج کے عوام اور اعیان و اشراف جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور ہجرت عامہ سے دو سال قبل ہی وہاں مساجد کی تعمیر اور قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

لقد لبثنا بالمدینتہ قبل ان یقدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتین نعمر المساجد و نقیم الصلوۃ

ہمارے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دو سال پہلے ہی ہم لوگ مدینہ میں مسجدوں کی تعمیر اور نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے۔

اس دو سالہ درمیانی مدت میں تعمیر شدہ مساجد میں نماز کے امام ان میں معلمی کی خدمات بھی انجام دیتے تھے' اسی کے ساتھ اس مدت میں تین مستقل درسگاہیں بھی جاری تھیں اور ان میں باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی ' اس وقت تک صرف نماز فرض ہوئی تھی اس لئے قرآن کے ساتھ نماز کے احکام و مسائل اور اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی یہ تینوں درسگاہیں اس طرح جاری تھیں کہ شہر مدینہ اور اس کے انتہائی کناروں اور آس پاس کے مسلمان آسانی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں' پہلی درسگاہ قلب شہر میں مسجد بنی زریق میں تھی جس میں حضرت رافع بن مالک زرقی رضی اللہ عنہ تعلیم دیتے تھے' دوسری درسگاہ مدینہ کے جنوب میں تھوڑے فاصلہ پر مسجد قبا میں تھی' جس میں حضرت سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ امامت و معلمی کے فرائض انجام دیتے تھے' اسی سے متصل حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا مکان واقع تھا جو بیت العزاب کے نام سے مشہور تھا اور جہاں مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے مہاجرین مقیم تھے اور تیسری درسگاہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر شمال میں نقیع الخضمات نامی علاقہ میں تھی جس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا مکان گویا مدرسہ تھا۔

ان تین مستقل تعلیم گاہوں کے علاوہ انصار کے مختلف قبائل اور آبادیوں میں قرآن اور دینی احکام کی تعلیم جاری تھی اور ان کے معلم و منتظم انصار کے روساء اور اعیان اور با اثر حضرات تھے ' مکہ مکرمہ میں ضعفاء و مساکین نے سب سے پہلے دعوت اسلام پر لبیک کہا اور وہاں کے بڑوں کے مظالم کا شکار ہوئے اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا ' یہاں سب سے پہلے اعیان اشراف اور سرداران قبائل نے برضا و رغبت اسلام قبول کر کے اس کی ہر طرح کی مدد کی' خاص طور

سے قرآن کی تعلیم کا معقول انتظام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ما یفتح من مصرا و مدینتہ عنوۃ ' فان المدینتہ فتحت بالقران -

کچھ ملک اور شہر زور و زبردستی سے فتح ہوتے ہیں، مدینہ قرآن کے ذریعہ فتح ہوا ہے۔

مدینہ کی مذکورہ بالا تینوں درسگاہوں میں باتفاق علمائے سیر و مغازی سب سے پہلے قرآن کی تعلیم مسجد بنی زریق میں ہوئی -

اول مسجد قری فیہ القرن بالمدینتہ مسجد بنی زریق'

سب سے پہلی مسجد جس میں مدینہ میں قرآن پڑھا گیا بنی زریق کی مسجد ہے۔

پہلی درسگاہ مسجد بنی زریق

اس درس گاہ کے معلم حضرت رافع بن مالک زرقی قبیلہ خزرج کی شاخ بنی زریق سے ہیں، بیعت عقبہ اولی کے موقع پر مسلمان ہوئے اور دس سال کی مدت میں جس قدر قرآن نازل ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عنایت فرمایا جس میں سورہ یوسف بھی شامل تھی اپنے قبیلہ کے نقیب و رئیس تھے اور ان کا شمار مدینہ کے کاملین میں ہوتا تھا، اس وقت کی اصطلاح میں کامل ایسے شخص کو کہا جاتا تھا جو نوشت و خواند، تیر اندازی اور تیراکی میں ماہر اور کامل ہو، حضرت رافع بن مالک ان اوصاف کے حامل تھے، انہوں نے مدینہ واپس آنے کے بعد ہی اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم پر آمادہ کیا اور آبادی میں ایک بلند جگہ (چبوترے) پر تعلیم دینی شروع کی، مدینہ میں سب سے پہلے سورہ یوسف کی تعلیم حضرت رافع ہی نے دی تھی اور یہاں کے پہلے معلم و مقری یہی ہیں، بعد میں اسی چبوترہ پر مسجد بنی زریق کی تعمیر ہوئی جو قلب شہر میں مصلی (مسجد غمامہ) کے قریب جنوب میں واقع تھی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت رافع کی تعلیمی و دینی خدمات اور ان کی سلامتی طبع کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے - اس درسگاہ کے استاد اور اکثر شاگرد قبیلہ خزرج کی شاخ بنی زریق کے مسلمان تھے -

دوسری درسگاہ مسجد قبا

دوسری درسگاہ مدینہ کے جنوب میں تھوڑے فاصلہ پر مقام قبا میں تھی جہاں مسجد کی تعمیر ہوئی بیعت عقبہ کے بعد بہت سے صحابہ جن میں ضعفائے اسلام کی اکثریت تھی - مکہ سے ہجرت کر کے مقام قبا میں آنے لگے اور قلیل مدت میں ان کی اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی، ان میں حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے وہی ان حضرات کو تعلیم دیتے تھے اور امامت بھی کرتے تھے، یہ تعلیمی سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک جاری تھا، عبدالرحمن بن غنم

کا بیان ہے ۔

حدثنی عشر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا کنا نتدارس العلم فی مسجد قبا فخرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال تعلموا ما شئتم ان تعلموا فلن یاجرکم اللہ حتی تعملوا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسیوں صحابہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم لوگ مسجد قبا میں علم دین پڑھتے پڑھاتے تھے ۔ اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ تم لوگ جو چاہو پڑھو' جب تک عمل نہیں کرو گے اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اجر و ثواب نہیں دے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبا کے مہاجرین میں متعدد حضرات قرآن کے عالم و معلم تھے' ان میں حضرت سالم مولی ابوحذیفہ سب سے زیادہ علم رکھتے تھے اور وہی امامت کے ساتھ تدریسی خدمت میں بھی نمایاں تھے' حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے'

لما قدم المهاجرون الاولون العصبتہ موضع بقباء قبل مقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یومهم سالم مولی ابی حذیفہ و کان اکثرهم قرانا'

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے مہاجرین اولین کی جماعت جب عصبہ آئی جو قبا کی ایک جگہ ہے تو ان لوگوں کی امامت سالم مولی ابوحذیفہ کرتے تھے ' وہ ان میں قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رات میں حضرت سالم کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو اظہار پسندیدگی کر کے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں سالم جیسا قرآن کا عالم و قاری پیدا کیا ہے ' نیز آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان چاروں قرآن کے عالموں و قاریوں سے قرآن پڑھو' عبداللہ بن مسعود' سالم مولی ابوحذیفہ' ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم ' حضرت سالم ایک غزوہ میں مہاجرین کے علمبردار تھے ' بعض لوگوں کو ان کی قیادت میں کلام ہوا تو انہوں نے کہا **بئس حامل القرن انا' یعنی ان فررت** یعنی اگر میں جنگ سے فرار ہوا تو میں برا حامل قرآن ہوں گا اور غزوہ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور وہ بھی زخمی ہو گیا تو بغل میں لے لیا اور جب زخمی ہو کر گر گئے تو اپنے آقا حضرت ابوحذیفہ کا حال دریافت کیا اور جب معلوم ہوا کہ وہ شہید ہو گئے تو کہا کہ مجھ کو ان ہی کے پہلو میں دفن کیا جائے ۔ حضرت ابوحذیفہ نے سالم کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا ۔ ان تصریحات سے حضرت سالم کے علم و فضل اور قرآن مین ان کے امتیاز کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ وہی قبا کی درسگاہ میں تعلیمی خدمت بھی انجام دیتے تھے ۔

یہاں حضرت ابو خثیمہ سعد بن خثیمہ اوسی رضی اللہ عنہ کا مکان گویا مدرسہ قبا کے طلبہ کے لئے دارالاقامہ تھا' وہ اپنے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے نقیب و رئیس تھے' بیعت عقبہ کے موقع پر اسلام

لائے ' مجرد تھے اور ان کا مکان خالی تھا اس لئے اس میں ایسے مہاجرین قیام کرتے تھے جو اپنے بال بچوں کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر آئے تھے یا جن کے آل اولاد نہیں تھے ' اسی وجہ سے ان کے مکان کو بیت العزاب اور بیت الاعزاب کہا جاتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مکان میں فروکش تھے اسی کے قریب حضرت سعد بن خثیمہ کا بیت العزاب تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقع بہ موقع وہاں تشریف لے جاتے اور مہاجرین کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے' یہ مکان مسجد قبا سے متصل جنوبی سمت میں تھا اور یہیں دار کلثوم بن ہدم بھی تھا - اس درسگاہ کے استاد اور شاگرد دونوں مہاجرین اولین تھے' جن میں مقامی مسلمان بھی تھے'

تیسری درسگاہ نقیع الخضمات

تیسری درسگاہ مدینہ کے شمال میں تقریبا ایک میل دور حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان میں تھی جو حرہ بنی بیاضہ میں واقع تھا یہ آبادی بنو سلمہ کی بستی کے بعد نقیع الخضمات نامی علاقہ میں تھی' جو نہایت سرسبز و شاداب اور پر فضا علاقہ تھا' یہاں خضیمہ نام کی نرم و نازک اور خوش رنگ گھاس اگتی تھی ' اسی طرف سے وادی عقیق میں سیلاب آتا تھا' بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں گھوڑوں کی چراگاہ بنائی تھی -

یہ درسگاہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے پر کشش ہونے کے ساتھ اپنی جامعیت اور افادیت میں دونوں مذکورہ درسگاہوں سے مختلف اور ممتاز تھی' بیعت عقبہ میں انصار کے دونوں قبائل اوس اور خزرج کے نقباء اور رؤسا نے دعوت اسلام پر لبیک کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مدینہ میں قرآن اور دین کی تعلیم کے لئے کوئی معلم بھیجا جائے تو ان کے اصرار پر آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا ' ابن اسحاق کی روایت کے مطابق بیعت عقبہ اولی کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو انصار کے ساتھ مدینہ روانہ فرمایا:

فلما انصرف عنه القوم بعث رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم معهم مصعب بن عمیر بن هاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی' و امره ان یقر ئهم القرن و یعلمهم الاسلام' و یفقههم فی الدین فکان یسمی المقری بالمدینته مصعب' و کان منزله علی اسعد بن زرارة بن علس ابی امامه'

جب انصار بیعت کرکے لوٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ وہاں لوگوں کو قرآن پڑھائیں' اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی بصیرت اور صحیح سمجھ پیدا کریں' چنانچہ حضرت مصعب مدینہ میں مقری کے لقب سے مشہور ہوئے اور ان کا قیام حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کے مکان میں تھا'

حضرت مصعب بن عمیر ابتدائی دور میں اسلام لائے تھے' ناز و نعمت میں پلے ہوئے تھے' جب ان

کے مسلمان ہونے کی خبر خاندان والوں کو ہوئی تو انہوں نے سخت سزا دے کر مکان کے اندر بند کر دیا مگر حضرت مصعب کسی طرح نکل کر مہاجرین حبشہ میں شامل ہو گئے' بعد میں مکہ واپس آئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کی' حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ خزرجی نجاری بیعت عقبہ اولی میں اسلام لائے اپنے قبیلہ کے نقیب تھے' وہ انصار کے نقباء میں سب سے کم سن تھے' ان کا انتقال 1ھ میں ہوا جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی' قبیلہ بنو نجار کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے کسی کو نقیب مقرر فرما دیں' آپ نے فرمایا کہ میں خود تم لوگوں کا نقیب ہوں ' ایک قول کے مطابق وہ بیعت عقبہ سے پہلے ہی مکہ جا کر مسلمان ہو گئے تھے اور انصار مدینہ میں وہ پہلے مسلمان ہیں -

یہ دونوں حضرات قرآن کی تعلیم اور اسلام کی اشاعت میں ایک دوسرے کے شریک تھے' حضرت مصعب بن عمیر قرآن کی تعلیم کے ساتھ اوس اور خزرج دونوں قبائل کی امامت بھی کرتے تھے اور ایک سال کے بعد جب اہل مدینہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا لقب مقری یعنی معلم مشہور ہو چکا تھا - حضرت اسعد بن زرارہ نے جمعہ کی فرضیت سے پہلے ہی مدینہ میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا ' اس کی بھی امامت عام طور سے حضرت مصعب بن عمیر کیا کرتے تھے' اسی لئے نماز جمعہ کے قیام کی نسبت بعض روایتوں میں ان کی طرف کی گئی ہے' حضرت مصعب بن عمیر کے ہمراہ حضرت ابن ام مکتوم بھی آئے تھے اور وہ بھی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے حضرت براء بن عازب کا بیان ہے:

اول من قدم علینا مصعب بن عمیر و ابن ام مکتوم و کانوا یقرؤن الناس'

سب سے پہلے ہمارے یہاں مدینہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم آئے اور یہ حضرات لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے -

بخاری کی ایک روایت میں ہے **فکانا یقرئان الناس** یعنی یہ دونوں حضرات لوگوں کو پڑھاتے تھے - چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو خاص طور سے تعلیم کے لئے بھیجا تھا اور حضرت ابن ام مکتوم ان کے ساتھ تھے اس لئے اس درسگاہ کی تعلیمی سرگرمی میں ان کا تذکرہ نہیں آتا ہے' ویسے بھی ابن ام مکتوم نابینا تھے اور محدود طریقہ پر یہ خدمت انجام دیتے تھے' ان کا نام عمرو' یا عبداللہ بن قیس ہے' حضرت خدیجہ کے ماموں زاد بھائی اور قدیم الاسلام صحابی ہیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے غزوات میں ان کو مدینہ کا امیر مقرر فرماتے تھے اور وہی نماز پڑھاتے تھے ' اس درسگاہ کے ایک طالب علم حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی میں نے طوال مفصل کی کئی سورتیں یاد کر لی تھیں-

نقیع الخضمات کی یہ درسگاہ صرف قرآنی مکتب اور مدرسہ ہی نہیں تھی بلکہ ہجرت عامہ سے پہلے

مدینہ میں اسلامی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی ' اوس اور خزرج کے درمیان ایک مدت سے قبائلی جنگ برپا تھی' آخری معرکہ حرب بعاث کے نام سے مشہور ہے جو ہجرت سے پانچ سال قبل ہوا تھا' ان جنگوں میں دونوں قبائل کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے جن میں ان کے اعیان و اشراف بھی تھے اور دونوں قبائل باہمی کشت و خون سے چور ہو چکے تھے اسی حال میں اسلام ان کے حق میں رحمت ثابت ہوا اور بقول ام المومنین حضرت عائشہ حرب بعاث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کا سبب بنا' دونوں قبائل کے افراد میں باہمی نفرت کی بوباس اسلام لانے کے بعد بھی باقی تھی - ایک قبیلہ والے دوسرے قبیلہ کی امامت پر اعتراض کر سکتے تھے اس لئے دونوں قبائل نے حضرت مصعب بن عمیر کی امامت پر اتفاق کیا۔

فكان مصعب بن عمير يؤمهم و ذلك ان الاوس و الخزرج كره بعضهم ان يؤمه بعض فجمع بهم اول جمعة في الاسلام

مصعب بن عمیر ان سب کی امامت کرتے تھے' کیونکہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کی امامت کو ناپسند کرتے تھے اور دونوں قبائل کو جمع کر کے اسلام میں پہلا جمعہ قائم کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کے پیش نظر حضرت مصعب بن عمیر کو لکھا کہ اہل مدینہ کو جمعہ پڑھائیں' پہلی نماز جمعہ میں صرف چالیس مسلمان شریک ہوئے بعد میں ان کی تعداد چار سو ہو گئی' پہلے جمعہ کو ایک بکری ذبح کی گئی اور اس سے نمازیوں کی ضیافت ہوئی جس سے دونوں قبائل کے لوگوں میں باہمی الفت اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوا - اسی کے ساتھ یہودیوں کے یوم السبت کی مذہبی رونق کے مقابلہ میں یہاں کے مسلمانوں میں اس سے ایک دن پہلے عید الاسبوع (ہفتہ کی عید) کی مسرت و اجتماعیت کا مظاہرہ ہوا' گویا یہودیوں کے مقابلہ میں یہ پہلا جرات مندانہ اجتماعی اور دینی مظاہرہ تھا۔

نیز نقیع الخضمات کی اس دینی درسگاہ اور اسلامی مرکز کی وجہ سے مدینہ کے یہودیوں کے دینی و علمی مرکز بیت المدراس واقع فہر کی حیثیت کم ہو گئی جہاں وہ جمع ہو کر تدریس و تعلیم اور دعا خوانی کے ذریعہ مذہبی سرگرمی جاری رکھتے تھے' اور اوس و خزرج یہودیوں سے بے نیاز ہو کر اپنے علمی و دینی مرکز سے وابستہ ہو گئے' اسلام سے پہلے اوس اور خزرج میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا اور اس بارے میں وہ یہودیوں کے محتاج تھے البتہ چند لوگ لکھنا جانتے تھے' ان ہی میں رافع بن مالک زرقی' زید بن ثابت' اسید بن حضیر' سعد بن عبادہ' ابی بن کعب وغیرہ تھے - ان میں اکثر ہجرت عامہ سے پہلے مسلمان ہو کر تعلیم و تدریس میں سرگرمی دکھاتے تھے اور نقیع الخضمات کے مرکز سے ان کا خصوصی ربط و تعلق تھا اور اوس و خزرج کے مختلف قبائل اس علمی و دینی مرکز سے وابستہ تھے' ان تین مستقل درسگاہوں کے علاوہ اس زمانہ میں مدینہ کے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تعلیمی مجالس و حلقات جاری

تھے‘ خاص طور سے بنو نجار ‘ بنو عبدالاشہل‘ بنو ظفر‘ بنو عمرو بن عوف‘ بنو سالم وغیرہ کی مسجدوں میں اس کا انتظام تھا اور عبادہ بن صامت‘ عتبہ بن مالک‘ معاذ بن جبل‘ عمر بن سلمہ‘ اسید بن حضیر‘ مالک بن حویرثؓ رضی اللہ عنہم ان کے امام و معلم تھے‘

ان درسگاہوں کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تک عبادات میں صرف نماز فرض ہوئی تھی اور بیعت عقبہ کے وقت انصار مدینہ سے بیعت نساء (عورتوں کی بیعت) لی گئی تھی یعنی یہ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے ‘ نہ چوری کریں گے‘ نہ زنا کریں گے‘ نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے ‘ نہ کسی پر بہتان لگائیں گے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف میں نافرمانی کریں گے‘ ان درسگاہوں میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ان ہی امور کے بارے میں تعلیم و تربیت دی جاتی تھی‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو تین باتوں کا حکم دیا تھا۔

و امرہ ان یقرئهم القرآن‘ و یعلمهم الاسلام‘ و یفقهھم فی الدین‘

ان کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی بصیرت پیدا کریں ۔

اس ہدایت کے مطابق ان درسگاہوں میں جس قدر قرآن اس مدت میں نازل ہوا تھا اس کی تعلیم دی جاتی تھی عام طور سے آیات و سور زبانی یاد کرائی جاتی تھیں‘ انصار نے بیعت میں جن باتوں کا اقرار کیا تھا ان پر عمل کی تلقین و تاکید کی جاتی تھی‘ یہ درسگاہیں رات‘ دن‘ صبح ‘ شام کی قید سے آزاد تھیں اور ہر شخص ہر وقت ان سے استفادہ کرتا تھا۔

مؤتمر المصنفین کی تازہ عظیم اور شاہکار پیشکش
ایک نادر تحفہ — ایک عظیم خوشخبری
کاروانِ آخرت
رشحاتِ قلم
مولانا سمیع الحق
مرتب
مولانا محمد ابراہیم فانی
مشاہیر علماء، مشائخ، سیاسی زعماء، عالمی سیاستدانوں
ادباء، شعراء اور اہم شخصیات کی وفات پر مدیر الحق
مولانا سمیع الحق کے سحر نگار قلم سے تعزیتی تاثرات، شذرات اور تبصرے
صفحات ۴۴۸
سنہری ڈائی دار جلد
قیمت ۹۵ روپے۔ آج ہی طلب فرمایئے۔
مؤتمر المصنفین
دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک پشاور
پاکستان

افکار و تاثرات

قارئین بنام مدیر

طالبان کی تائید پر خراج تحسین

عزیزم مولانا حافظ راشد الحق صاحب

جعله الله من المرشدين المهديين و العلماء الربانيين

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! امید ہے کہ آپ بمعہ جمیع اہل بیت ، اکابر و اصاغر و احباب کے بخیر و عافیت ہونگے ۔

مؤقر ماہنامہ " الحق " بابت محرم ۱۴۱۷ھ مولانا جلال الدین حقانی کے ہاں نظر سے گزرا ۔ اسمیں آپ کے نقش آغاز " افغانستان میں مصالحانہ کوششیں یا مکروہ سازشیں " کے عنوان سے دل و دماغ معطر ہوئے ، جزاک الله من خزائن الطافه و نعمه احسن ما یجازی به عباده الغیورین اصحاب الشهامة الایمانیه الذین لا یخافون لومة لائم ولا بطشة حاکم ؛ ماشاء الله لاحول ولاقوة الا بالله ۔ ایمانی جرات ، پاکیزہ احساسات ، ادبی متانت کا ترجمان " اداریہ " ظروف راھند کے پیش نظر تیر بھدف قلندرانہ نوٹس ہے جو ہزار ستائش و سپاس کا مستحق ہے ۔ رب الجزاء جل جلالہ آپکو اس بے باک ، بےلاگ حق گوئی ، حق شناسی کا عظیم صلہ دارین میں عطا فرمادے اور آپکے اس حق پسندانہ تحریر میں مزید کشش و جاذبیت ودیعت فرمادے ۔ آج چاردانگ عالم میں تمام مغربی ، مشرقی میڈیا اس اسلامی قافلہ کے خلاف

دن رات ناپاک، زہریلے پروپیگنڈوں میں مصروف ہے اور بدقسمتی سے ہمارے طبقہ کے بعض سنجیدہ علماء کا بھی ابھی تک شرح صدر نہیں ہوا اور تاحال ان بے چاروں کو ملحدین کے بے بنیاد شوشوں نے اتنا متاثر کردیا ہے کہ طلبہ کے حق میں ایک حرف کہنے کے روادار نہیں ہیں ۔ اور بعض بے چاروں کو تو ربانی تحائف و ہدایا نے صم بکم کردیا ہے ، فالی اللہ المشتکی . لمثل هذا یذوب القلب عن کمد فی القلب ایمان واسلام ۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ آپ اس زرین اداریہ میں مناسب اضافات فرماکر پمفلٹ کے شکل میں شائع فرمادیں تو اس حرکت کے لئے تادیر دستاویز ثابت ہوگا ۔ خدا کرے کہ دیگر دینی جرائد و مجلات کے اداریہ نگار بھی " الحق " کی طرح اس " لشکر محمدی " کی حمایت میں اپنے گرانقدر جذبات سے سرشار اداریئے زیب مجلات فرماکر اپنا مذہبی ، دینی ، تبلیغی فریضہ ادا کریں ۔

مکرم و محترم والد بزرگوار زید مجدہ ، محترم مولانا عبد القیوم حقانی صاحب زید مجدہ ، محترم شفیق فاروقی صاحب اور عزیزم مولانا حامد الحق صاحب اور محترم ومکرم حضرت مولانا انوارالحق صاحب اور دیگر جملہ اساتذہ کرام کی خدمت میں تسلیمات عرض ہیں ۔

دعاگو ودعاجو ۔ سید شیر علی شاہ

سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مرداں چنیں کنند

جناب راشد الحق سمیع کو " افغانستان میں مصالحانہ کوششیں یا مکروہ سازشیں " کے عنوان سے عظیم ادارتی تحریر لکھنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔ آپ نے اس سلسلہ میں سازشی کردار ادا کرنے والوں کا جس طرح جرات وہمت اور استقامت سے نوٹس لیا ہے ۔ وہ اپنی مثال آپ ہے ، مرداں چنیں کنند ۔

REGD. NO. P-90

فرمان رسول

حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا!"

(۱) ـــــ جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
(۲) ـــــ امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
(۳) ـــــ زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
(۴) ـــــ شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے
(۵) ـــــ بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
(۶) ـــــ آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
(۷) ـــــ مساجد میں شور مچایا جائے۔
(۸) ـــــ قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
(۹) ـــــ آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
(۱۰) ـــــ نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
(۱۱) ـــــ مرد ریشم پہنیں۔
(۱۲) ـــــ آلات موسیقی کو اختیار کیا جائے
(۱۳) ـــــ رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
(۱۴) ـــــ اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیے کہ پھر وہ ہر وقت عذاب الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحاب سبت کی طرح صورتیں مسخ ہو جانے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات القیامۃ)